محمد اشرف مغل
گورنمنٹ ڈگری کالج ،محراب پور،سندھ

ہوریس کے تنقیدی نظریات

Horace is the most important literary critic after Aristotle.His importance can be guaged from the fact that when Aristotle`s poetics was not discoverd,writers used to revere the literary opinions of Horace.When Poetics was finally discoverd,people didn`t forget Horace even then.But then Horace was somewhat overshadowed,but his literary theories are stil very important.People in interested and literature all over the world can not deny the importance of Horace ideas about literature.I have tried to discuss Horace`s literary theories and their importance in literary criticism in my article.

ہوریس ۶۵ برس قبل از مسیح ،۸دسمبر کواپولیا کے شہر وینوسیا میں پیدا ہوا۔اُس کے باپ نے اُسے تعلیم کے لیے روم بھیج دیا۔وہاں اُس کی تعلیم وتربیت بیلس نے کی۔بعدازاں بیس سال کی عمر میں وہ ایتھنز چلا گیا۔جس وقت وہ ایتھنز پہنچا تھا تو اُس وقت جولیس سیزر کو اُسی کے ارکانِ دولت نے قتل کر دیا تھا۔ بروٹس مقدونیہ جاتے ہوئے ایتھنز میں کچھ عرصہ رُکا تا کہ نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کر سکے۔چنانچہ یہاں اُس کی ملاقات ہوریس سے ہوگئی' ہوریس سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ نہ صرف اُس نے ہوریس کو فوج میں بھرتی کرلیا بلکہ ایک دستے کی کمان اُس کے سپرد کردی۔ جب بروٹس کو فلپی کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس شکست کے سبب ہوریس واپس روم نہیں جاسکتا تھا مگر پھر عام معافی کے اعلان کے بعد وہ دوبارہ روم چلا آیا۔ اس عرصے میں اُس کا باپ مر چکا تھا اور اُس کی جائیداد پر قبضہ ہو چکا تھا۔اب ہوریس انتہائی عسرت کی زندگی گزارنے لگا۔بعدازاں منشی کی حیثیت سے اُس نے ایک جگہ ملازمت اختیار کر لی۔ ناقدین کے بقول شاید یہ عسرت ہی کا نتیجہ تھا کہ ہوریس کو شعروشاعری نے اپنی طرف کھینچا۔اسی زمانے میں اُس نے ایپوڈس (Epodes)اور سیٹائرس (Satires) تصنیف کیں۔اسی زمانے میں ورجل اور واریس بھی اس کی شاعری سے متاثر ہوئے،اورانہوں نے اس کا تعارف مائی سی نس سے کروادیا۔مائی سی نس شاعروں اور ادیبوں کی بہت خاطر مدارات کیا کرتا تھااور ہر معاملے میں اُن کی مدد کرتا تھا۔مائی سی نس کی دوستی اور معاونت سے ہوریس کی شاعری خوب پھلی پھولی۔فکرِ روزگار سے اُس کے دل کو نجات مل چکی تھی ،اس لیے اب وہ ہمہ وقت شعروشاعری میں مصروف رہنے لگا۔مائی سی نس کی رفاقت ومعاونت سے ہوریس کی زندگی اور شاعری کو بہت فائدہ ہوا۔جب ہوریس کی چہارجانب شہرت ہوگئی تو مائی سی نس نے سابائن کی کاشت اُسے تحفے میں دے دی۔اب ہوریس کو کسی بات کی فکر نہ رہی۔وہ عسرت وتنگدستی کی زندگی سے بالکل نکل گیا۔ اس فارغ البالی نے اُسے یہاں تک کامیابیوں سے ہمکنار کیا کہ ورجل کی موت کے بعد وہ ملک الشعراء بن گیا۔ ۲۷نومبر کو ۸ سال قبل مسیح اس کا انتقال ہوا۔

ہوریس کی مندرجہ زیل کتابیں ملتی ہیں:

(۱)سٹائرس

(۲)ایپوڈس

(۳)اوڈس

(۴)کارمن سیکولیر

(۵)اے پسٹلس

(۶)آرس آف پوٹیکا

محققین وناقدین نے ان تمام کتابوں کا تعارف کروایا ہے۔تمام کتابیں منظوم ہیں۔کسی میں اخلاقی مباحث ہیں،کسی میں جنگی واقعات،کسی میں قصائد ہیں،کسی میں طنزیہ نظمیں،کسی کا پس منظرسیاسی ہے،کسی میں کسی شخص سے خطاب ہے، اورکسی میں اُسلوب اورمواد زیرِ بحث ہے۔لیکن ہمارا موضوع گفتگوآرس آف پوٹیکا/ آرس پوٹیکا ہے۔

مغربی تنقید کی تاریخ میں ارسطو کے بعد سب سے اہم نام ہوریس کا ہے۔کہتے ہیں جب ارسطو کی بوطیقا منظرعام پرنہیں آئی تھی،تب بھی ہوریس کی ادبی تنقید سے لوگ متعارف تھے۔جب بوطیقا منظرعام پرآ گئی تب بھی لوگ ہوریس کو پڑھتے تھے۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہوریس کے تنقیدی افکار کی اہمیت ارسطو کی بوطیقا کے آجانے سے کم نہ ہوئی۔اس کے علاوہ ناقدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہوریس کی آرٹس آف پوٹیکا پر ارسطو کے تنقیدی خیالات کا گہرا اثر ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہوریس یونانیوں سے بہت زیادہ متاثر تھا۔

وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> ''یہ سچ ہے کہ ہوریس ارسطو سے بہت متاثر تھا اور اس کے خیالات کی چھاپ اس پر بہت نمایاں ہے،لیکن اس کے باوجود دونوں کے طریقہ اظہار میں بنیادی فرق ہے۔ارسطو معاملات کو ایک فلسفی کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے،اُن کی تاویل بھی اُسی پس منظر میں کرتا ہے لیکن ہوریس خود کو اس دائرے میں قید نہیں کرتا،لہٰذا وہ فن شعر میں ان تمام مباحث سے بے نیاز ہوگیا جن میں ایک فلسفی کا نقطۂ نگاہ کام کررہا تھا۔ہوریس شاعری کو ایک نقاد کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے نہ کہ ایک فلسفی کی عینک سے۔اس طرح اس کا جائزہ بنیادی طور پر بہت حدتک عملی اور کارآمد ہے''۔[۱]

ہوریس کی تنقید پڑھنے سے واقعی ایسا لگتا ہے کہ ہوریسؔ نے فلسفہ وتنقید کو زیادہ گڈمڈ نہیں کیا۔ارسطو کی تنقید میں فلسفیانہ مباحث زیادہ ہیں،جبکہ ہوریس کی تنقید خالص شعروادب کے دائرے میں رہتی ہے۔یہ بات جہاں بہت زیادہ عجیب ہے وہیں حیران کن بھی ہے کہ ایک ایسادور کہ جس میں ہرطرف فلسفیانہ مباحث نے اپنے در وا کیے ہوئے تھے، ہر چیز کو فلسفے کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا،ہوریس خالص ادبی قسم کی تنقید منظوم کررہا تھا۔یونانیوں کے علم وادب وفلسفہ واُسلوب

سے وہ اس قدر متاثر تھا کہ شعروادب کے جملہ معاملات میں' وہ رومیوں کو بار بار یونانیوں ہی کی تقلید کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اِسی آئینہ میں وہ یونان کے بلندوبالا ایوانوں سے' روم کے محلات کو روشن کرنے کے لیے بجائے فلسفے کے' شعروادب ونقد کے چراغ لاتا ہے۔ڈاکٹر سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

''رومن عہد میں جو تنقید کے مسائل اُبھرے وہ بالعموم تکنیک اور ہیئت کے مسائل تھے۔رومیوں نے اعلیٰ ادب کی تخلیق کے لیے یونانی ادب کو سامنے رکھ کر قوانین وضع کیے۔

عہدروما کے ناقدوں میں ہوریس (Horace) کلاسیکی اقدار کا حامل تھا۔وہ محض ان چیزوں کو پسند کرتا تھا جو زمانے کی کسوٹی پر پوری اُتر چکی ہوں، یعنی ہر وہ چیز جومختلف ادوار میں قبول عامہ حاصل کرچکی ہو،آج بھی ہمارے لیے قابلِ قبول ہوگی۔پس ہوریس اس بات کا قائل تھا کہ عظیم یونانیوں کے قابل قدر نمونوں کی تقلید ہونی چاہیے۔اس نے ان کے آزمائے ہوئے شاعری کے اوزان، تنظیم وتناسب وتوازن کے اُصول اور کردار میں نمونوں (Type) کی پابندی کو لازمی قرار دیا۔اس نے شاعری کے مقصد کے بارے میں ہمیں یہ نظریہ دیا کہ شاعری کا کام درس دینا اور مسرّت بہم پہنچانا ہے۔اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مابعد یونان ،رومن ناقد بالعموم کلاسیکی مزاج رکھتے ہیں اور ہیئت پرست ہیں''۔[۲]

ہوریس اپنی تنقید میں ہرجگہ،وہ بات کرتا ہے جو پے در پے تجربوں سے ثابت ہوچکی ہو،اس اعتبار سے وہ کلاسیکی اقدار کا حامل تھا۔وہ یونانی شعروادب سے اس قدر متاثر ہے کہ رومیوں کے شعروادب کے لیے وہ تمام اُصول وقوانین یونان سے لاتا ہے۔بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہوریس کو یونانی تہذیب وتمدن ،شعروادب،فلسفہ وحکمت غرض سب کچھ بہت پسند ہے۔عابد صدیق لکھتے ہیں:

''ارسطو کے بعد اور لان جائی نس سے پہلے جو نقاد قابل ذکر ہیں وہ اطالوی یا رومن ہیں۔ان میں سے ایک ہوریس ہے جس کا رسالہ فن شاعری (The Art of Poetry) قابل قدر ہے۔وہ یونانی ادب سے بہت مرعوب ہونے کی وجہ سے ادب میں یونانی نمونوں (Types) کو ضروری قرار دیتا ہے اور اپنی اطالوی زبان کی نسبتاً کم مائیگی کے سبب یونانیوں کی تقلید ہی کو راہِ نجات قرار دیتا ہے۔یونانی ادب سے مرعوبیت کی اس سے بھی بڑی مثال سسرو(Cicero) کا رسالہ De Oratore(فن خطابت) ہے جو اگرچہ لاطینی زبان میں نثر کا عمدہ ادبی نمونہ ہے لیکن اس میں اس نے ارسطو اور خطابت کے بارے میں دوسرے خطیبوں کے نظریات کی وضاحت کے سوا کچھ نہیں کیا۔

ہوریس طبعاً قدامت پسند ہے اور پیدائشی قواعد پرستوں (Born Classicists) کی طرح صرف اُسی چیز کو پسند کرتا ہے جس کی آزمائش کی جاچکی ہو۔یعنی جوادب جوانی اور بڑھاپے یا آج اور کل کے زمانوں میں یکساں طور پر متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ اُسی کو پسند کرتا ہے۔وہ'عظیم یونان' کے ادبی اُسلوب اور نمونوں کو کبھی نگاہ سے اوجھل نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہی بحریں استعمال کرو اور اسی

تناسب اور تنظیم کو مرغوب رکھو جو ادب کے مسلمات میں موجود ہے۔اس نے یہ مقولہ بھی دیا جو کئی صدیوں تک تنقید میں ضرب المثل رہا کہ ''شاعری کا مقصد درسِ حیات اور مسرت بہم پہنچانا ہے''، (The aim of poetry is to instruct or to delight or both)۔اس کا یہ قول افلاطون اور ارسطو کے نظریات کا ملغوبہ ہے''۔[۳]

ہوریس کے ہاں شعروادب کے معاملے میں نئے تجربے ملتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنی نصیحتوں میں نئے تجربے کرنے کو کہتا ہے۔وہ اسی اسلوب وہیئت میں شعروادب تخلیق کرنے کو کہتا ہے جس میں یونانیوں نے کیے۔ اسی وجہ سے ناقدین کہتے ہیں کہ ہوریس انہی باتوں پر بار بار توجہ دینے کو کہتا ہے جو آزمائش کے مراحل طے کر چکی ہیں۔آرس آف پوٹیکا کو بھی اگر ہم دیکھتے ہیں تو اس میں بھی ارسطو کے نظریات ہی کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے،لیکن کئی مقامات پر ہوریس نے اپنے نظریات بھی پیش کیے ہیں۔اور جو اُسلوب ہوریس نے 'فن شاعری' میں اپنایا ہے وہ یونانیوں کے ہاں نہیں ملتا۔ایک نظم کی ہیئت میں تنقیدی نکات پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اور وہ بھی ایسے دور میں کہ جب خالص قسم کی ادبی تنقید لکھنے کا کسی کو شعور بھی نہیں تھا۔ہوریس کے ہاں ادبی تنقید ایک خالص شعوری عمل ہے،ارسطو کے ہاں ایسا نہیں ہے۔اسی وجہ سے ارسطو کی بوطیقا کے متعلق محققین وناقدین کے مختلف اقوال ملتے ہیں ۔جبکہ ہوریس کے ہاں یہ صورتِ حال نہیں ملتی۔

پروفیسر ایبروکرومبی آرس آف پوٹیکا کی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں :

''آرس پوٹیکا' کی تہہ میں جو نظریہ کارفرما ہے وہ بنیادی طور پر ارسطو ہی کا ہے،مگر ہوریس کو جو اس سے وابستگی ہے وہ فلسفیانہ قطعی نہیں ہے بلکہ عملی ہے۔وہ بحیثیت نقاد کے اُس سے جو کچھ استفادہ کرسکتا ہے اُسی کی بنا پر اُسے قبول کرتا ہے۔چنانچہ ہوریس کی اس نظم کو کسی بھی حیثیت سے استدلال تصور نہیں کیا جاسکتا ۔یہ نصیحتوں اور مشوروں کا مجموعہ ہے جنہیں کچھ غیر مربوط انداز میں یکجا کردیا گیا ہے۔ان میں جو تعلق پایا جاتا ہے وہ منطقی ہونے کے بجائے شاعرانہ ہے۔یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ آرس پوٹیکا بنیادی طور پر تنقیدی کتاب نہیں ہے سب سے پہلے یہ ایک نظم ہے۔ایسی نظم جس کا موضوع تنقید ہے۔اس موضوع کی حقیقی قدروقیمت اس شاعری میں پوشیدہ ہے جو اس موضوع نے ہوریس سے لکھوائی۔اس کی نصیحتوں کے مقابلہ میں اس کی فنی مہارت سے زیادہ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اتنی طوالت کی کسی نظم کے اس قدر فقرے بین الاقوامی ثقافت کی مشترک ملکیت شاید ہی بن پائے ہوں''۔[۴]

ناقدین نے ہوریس کے ادبی نظریات کو زیادہ اہمیت نہیں دی اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہوریس نے قدیم یونان کے پیش کیے ہوئے نظریات ہی کو منظوم کرکے پیش کردیا ہے۔وہ یونانیوں کے خیالات سے سرِمو انحراف نہیں کرتا۔اور کوئی نیا تنقیدی نظریہ پیش نہیں کرتا۔لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کے برعکس خیالات پیش کیے ہیں:

''فن شاعری' کا مخاطب پیسو خاندان کا کوئی ایسا فرد ہے جو ادیب، شاعر اور ڈرامانگار بننا چاہتا ہے اور

ہوریس نے یہ مکتوب اسی کی ہدایت کے لیے لکھا تھا۔ہوریس کے اس مکتوب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شاندار جملے اور چست بندش وتراکیب پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنے زمانے سے لے کر بعد تک دوسرے مصنفین نے کثرت سے اس کے جملے نقل کیے ہیں۔جس اختصار کے ساتھ اس نے تنقیدی خیالات پیش کیے ہیں اور جس جامعیت کے ساتھ اس نے ادبی وفنی مشورے دیے ہیں ان میں اقتباس کیے جانے کی غیر معمولی لپک پیدا ہوگئی اور اس کے فقرے اور بندشیں ضرب المثل بن کر تحریر وتقریر میں آنے لگے۔لیکن ساتھ ساتھ یہ ہوا کہ ہوریس کی اصل حیثیت نظروں سے اوجھل ہوگئی''۔[۵]

ہوریس کے تنقیدی خیالات واقعی آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔یہ بات جتنی سچی ہے اُتنی ہی عجیب ہے کہ ہوریس آخر کیوں آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔کیا اُس کے تنقیدی خیالات میں صرف اتنی ہی طاقت تھی کہ وہ ارسطو کی بوطیقا کی غیر موجودگی میں تو لوگوں کی نظروں میں بھرپور رہا اور جوں ہی بوطیقا منظرِ عام پر آئی ،نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ہوریس کی قدر ومنزلت کے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''ایٹکنز نے لکھا ہے کہ نشاۃ الثانیہ اور اس کے بعد کے ادوار میں ہوریس کے ادبی فرمان کا اثر یہ ہوا کہ ادب خشک اور روکھے پھیکے رواج ودستور کا پابند ہوکر رہ گیا۔اُصول، روایت اور قواعد کا ایک ایسا مجموعہ جس کی پابندی ہر شاعر کے لیے ضروری تھی۔یہ اُصول اتنے مستند ومسلّم ہوگئے کہ دانتے جیسا شاعر بھی بے چون وچرا ہوریس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ''یہ ہے وہ بات جو ہمارا آقا ہوریس ہمیں بتاتا ہے''۔بولو اور پوپ بھی اس کے مصرعوں کو اپنی شاعری میں استعمال کر کے اس کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن ان تمام اثرات کے باوجود' جنہوں نے ادب کو ماضی کے مقررہ اُصولوں کا نظام بنادیا تھا، اگر آپ ایک عام قاری کی حیثیت سے فن شاعری کا مطالعہ کریں تو آپ کو اس کے سنجیدہ طرزِ فکر اور دلچسپ اندازِ بیان سے ضرور متاثر ہوں گے اور یہ محسوس کریں گے کہ یہ تحریر کسی مکتب یا مدرسہ کے لیے نہیں بلکہ ''ادب'' کے لیے لکھی گئی ہے''۔[۶]

کوئی مضمون اُٹھا کر دیکھ لیں،افلاطون ،ارسطو کے بعد لانجائنس کا نام ملے گا،ہوریس گم ہوجاتا ہے۔حالانکہ ہوریس کے تنقیدی خیالات شاید کل سے زیادہ آج کارآمد ثابت ہوں۔دوسرے قدیم وجدید مغربی ناقدین کے تنقیدی خیالات سے ہوریس کے خیالات زیادہ واضح اور سہل ہیں۔جس تنقیدی نظریے کو دیکھیے پیچیدگیوں کا شکار نظر آتا ہے' نظریے سے زیادہ اُس میں نظریہ ساز کی علمیت اور رعب وداب زیادہ آشکارا ہوتا ہے۔قاری نظریے کو کیا سمجھے گا وہ تو مرعوب سا ہوکر رہ جاتا ہے۔اس کا مظاہرہ دیکھنا ہوتو ساختیات و پسِ ساختیات اور مابعد جدیدیت کی ادق تھیوریوں اور اصطلاحات کو دیکھ لیجیے۔لیکن ہوریس کے ہاں ایسا معاملہ نہیں ہے وہ اپنے نظریات میں اپنے حیثیت کو منوانا دکھائی نہیں دیتا،وہ صرف اور صرف شعروادب کو بلند دیکھنے کا خواہاں ہے اسی لیے وہ بڑے اخلاص سے نئے لکھنے والوں کو مفید مشورے دیتا ہے۔جن کی

ضرورت جتنی اُس وقت کے شعراوادبا کو تھی اُتنی ہی آج کے ادباوشعرا کو بھی ہے۔لیکن ان سب باتوں کے باوجودنجانے کیوں ہوریس کونظرانداز کردیا گیا۔

اردو میں کیا انگریزی میں بھی ہوریس کا ذکرکم ہی ملتا ہے۔اردو میں جن ناقدین نے مغربی تنقید کا تعارف کروایاہے ،اُنہوں نے بھی ہوریس کے تنقیدی نظریات کوتفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا ہے، سوائے کلیم الدین احمد کے، اُنہوں نے ہوریس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اس لیے مناسب ہوگا کہ یہاں کلیم الدین احمد کے تنقیدی خیالات بھی پیش کردیے جائیں ۔ہوریس کے زمانے کے متعلق کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

''جب ہوریس نے لکھناشروع کیا وہ زمانہ امیرانہ اور شاہانہ سرپرستی کا زمانہ تھا،جب سیاسی امور کے فیصلے کے لیے پرجوش تقریروں کی ضرورت نہ تھی بلکہ موروثی شان وشوکت، فوجی کامرانیوں ، پرامن اور عادلانہ حکومت کی پاکیزہ نظموں میں تعریف وتوصیف کی ضرورت تھی۔ہوریس کی شاعری ایک کلاسیکی تحریک کا جزو تھی جواعلی سنجیدگی کی طرف مائل تھی اگرچہ اس میں یونانی شدت نہ تھی ۔پھر وہ جو کچھ لکھتا ہے وہ شاعری اور شاعروں کے لیے لکھتا ہے۔اس کے مخالف سیاست دان یا فلسفی یا سوفسطائی نہ تھے بلکہ متشاعر،مسخرے، ہزال وغیرہ تھے''۔ ۷

آرس پوئیکا جیسا کہ پیچھے گزرا ایک منظوم تنقیدی خط ہے ۔تنقید تو نثر ہی میں لکھنی خاصامشکل کام ہے اور ہوریس نے ایسا مشکل کام نظم میں کیا۔نثر میں تو پھر بھی مافی الضمیر کو جوں کا توں بیان کرنا آسان ہوتاہے ۔نظم میں بہت کچھ بیان ہونے سے رہ جایا کرتاہے ۔اس بارے میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

''ہوریس شاعر بھی تھا اور نقاد بھی اور بحیثیت شاعر نقاد وہ اوسط درجے کا تھا۔اس وقت اس کی شاعری موضوع بحث نہیں ہے بلکہ تنقید ہے جوArs Poetica کے نام سے مشہور ہے۔ظاہر ہے کہ تنقید کومنظوم شکل میں پیش کرنے میں بہت سی دشواریاں راہ میں حائل ہوجاتی ہیں۔خیالات واضح اورمتعین طور پر بیان نہیں ہوسکتے۔کہیں فاضل الفاظ کا استعمال ناگزیر ہوجاتا ہے تو کبھی اختصار سے معانی واضح نہیں ہوپاتے۔یہ البتہ ہوتا ہے کہ تنقید فورمولوں کی شکل اختیار کرلیتی اور کہیں کہیں یادگار فقرے اور جملے البتہ تراشے جاسکتے ہیں''۔ ۸

مکمل گرفت میں نہ آنے ہی کی وجہ سے ہی شاعری میں کئی پرتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔اگر شاعری پوری طرح گرفت میں آجائے یا کسی مضمون کو لے آئے تو وہ شاعری قافیہ پیمائی کی صف میں آجاتی ہے۔یعنی شاعری نہ تو خود پوری طرح قاری کی گرفت میں آتی ہے اور نہ ہی وہ کسی مضمون کو پوری طرح گرفت میں لاتی ہے۔اور یہی شاعری کی خصوصیت ہے، اسی ہی کی وجہ سے نت نئے تنقیدی نظریے آئے دن منظرعام پر آرہے ہیں۔آرس پوئیکا کی کیفیت کے متعلق کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

''بہرکیف ، بغیر کسی تمہید کے ہوریس موضوع سے دست وگریباں ہوتا ہے۔اور اس کا اپنے موضوع سے

سلوک بھی سرسری ہے۔کہہ سکتے ہیں کہ Ars poetica کے تین حصے ہیں۔

۱) پہلی بہتر سطروں میں وہ مختلف قسم کے موضوعات سے بحث کرتا ہے۔ عبارت آرائی،وحدت، اختصار،اپنی حد سے باہر نہ جانا،خیالات کی تنظیم ،لفظوں کا استعمال ۔کہہ سکتے ہیں کہ ان چیزوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے کیونکہ ان کی شاعری میں ضرورت ہوتی ہے۔

۲) دوسرے حصے میں وہ ۲۲۲ سطروں میں مختلف اصناف اور اُن کی تاریخ سے بحث کرتا ہے، پھر شائستگی (Decorum)اور قوانین سے۔کہہ سکتے ہیں کہ اس حصے میں نظم زیرِ بحث ہے۔

۳) آخری ۱۸۲ سطروں میں وہ شاعروں سے متعلق پُر مذاق باتیں کرتا ہے اور اسی لہجے میں وہ شعرا کو کچھ مشورے دیتا ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے۔غالباً ہوریس کے پیشِ نظر Neoptolemus کی تہری قسم تھی۔

Poiesis(مواد)،Poema(ہیئت)،Poietes(شاعر)

لیکن اس کے خیالات میں کوئی تنظیم نہیں اور اس کتاب پر خود ہوریس کا مقولہ صادق نہیں آتا:

A place for every things and every things is its place.[۹]

بغیر تمہید کے اگر ہوریس نے اپنے خیالات کو منظوم کرنا شروع کیا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہوریس کے اس منظوم خط میں کوئی تنظیم نہیں۔تنظیم نہ ہوتی تو کلیم الدین احمد کس طرح اسے تین حصوں میں منقسم کر پاتے۔تنظیم ہے لیکن زیادہ نہیں۔ہوریس نے تنقید کا کوئی ایک نکتہ تو پیش کیا نہیں ،ہر جہت سے فن پارے کو دیکھنے کے لیے نکات پیش کیے ہیں۔جہاں بہت سی سمتیں ہوں وہاں تنظیم کا خیال رکھنا ازبس مشکل کام ہے۔موضوع سے سلوک بھی سرسری نوعیت کا نہیں ہے۔اُس زمانے میں شاعر کو جتنی اور جیسی خوراک کی ضرورت تھی' ہوریس نے وہی اُسے دی۔اُس وقت کے شاعر،ڈراما نگار، خطیب اور ادیب کو فلسفیانہ مباحث کی نہیں' خالص ادبی تنقید کی ضرورت تھی۔جسے ہوریس نے آرس پوٹیکا کے ذریعے بخوبی پورا کیا جو ایک باقاعدہ کتاب نہیں ایک خط ہے اور خط میں اسلوب بہت کچھ بدل جایا کرتا ہے۔تو ایسے میں یہ کہنا کہ ہوریس کا خود اپنا مقولہ اُس کی اس نظم پر پورا نہیں آتا،بعید از انصاف ہے۔پھر خود ہی کلیم الدین احمد نے لکھا:

''ممکن ہے کہ ہوریس کا ارادہ ایک باضابطہ تنقیدی کتاب لکھنے کا نہ ہو اور اس کا مقصد صرف کسی دوست کے لیے کچھ مفید اشاروں اور نکتوں کا بیان ہو''[۱۰]

یہ کہنے کے بعد کلیم الدین احمد فوراً یوٹرن لے لیتے ہیں:

''لیکن ظاہر ہے کہ اس نے کتاب بالکل بے ترتیب ڈھنگ سے لکھی ہے۔اس میں کسی قسم کی تنظیم کا نام ونشان بھی نہیں ملتا اور اس طریق کار یا طریق کار کے عدم وجود کا کوئی جواز نہیں۔وہ کافی رواں تلخ تنقید

سے ابتدا کرتا ہے اور اس تلخ تنقید کا نشانہ تنظیم کی بے ربطی ہے،حصوں میں ہم آہنگی کی کمی ہے اور یہ تنقید Ars Poetica پر صادق آتی ہے۔اگر اس نظم میں یادگار اور چمکیلے فقروں کا مجمع النجوم نہ ہوتا تو پھر کوئی اس کتاب کو بے ترتیب باتوں کے غیر منظّم سلسلے کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتا''۔[۱۱]

ان جملوں میں تنقیص کے ساتھ ساتھ تعریف وتوصیف بھی ہے۔یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہوریس شاعر تھا'نقاد نہیں تھا۔تو اس سے سلوک بھی ویسا ہی ہونا چاہیے ۔شاعر ہونے کے باوجود اس نے نقاد کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کی ہے۔اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اسی ایک فریضہ کے سبب ہنوز زندہ ہے۔آج کے نقاد کو ہوریس کے تنقیدی نکات کا جائزہ' آج کے تنقیدی معیار کے آئینہ میں لینا مناسب نہیں ہے۔ہوریس کی تنقید کو اُس کے زمانے کے تنقیدی معیار(اگر وہ ہے) سے تولنا چاہیے'یہی قرینِ انصاف ہے۔کیا یہ بات ہوریس کے گہرے تنقیدی شعور پر دال نہیں کہ سینکڑوں صدیوں بعد بھی ہوریس کے نکات کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ایک بات یہ بھی ہے کہ جدید تنقید نے اپنی زیادہ تر توجہ نقاد کو دی ہے جبکہ ہوریس اور دوسرے قدیم نقاد و ں نے اپنی توجہ تخلیق کار کو دی ہے۔اس تناظر کے ساتھ بھی اگر ہوریس کے تنقیدی خیالات کو پرکھا جائے تو ان کی ضرورت واہمیت بڑھ جاتی ہے۔لیکن کلیم الدین احمد کو ہوریس کے ہاں خوبیاں کم' خامیاں زیادہ دکھائی دیتی ہیں:

''وہ(ہوریس) من مانے قواعد پر ایمان رکھتا تھا اور ایسے قواعد سے جو ادبی نقصان تھا اس کی اُس کو مطلق خبر نہ تھی،کیونکہ وہ روایت پرست تھا اور اس کا آئیڈیل ہومؔر تھا'اور یونانی المیہ نگار تھے۔اسی لیے وہ ہومؔر کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہے اور یہ مشورہ کچھ بُرا بھی نہیں تھا' کیونکہ ہومؔر ایک بزرگ شاعر تھا اور اس سے بہت کچھ' اُس کے بعد کے شعرا سیکھ سکتے تھے لیکن غلامانہ ذہنیت یا اندھی تقلید کبھی کبھی مفید نہیں ہوسکتی ہے۔ہوریس کی اور باتیں بھی روایتی قسم کی ہیں۔وہ اُنہیں اوزان وبحور کے استعمال کا مشورہ دیتا ہے جو مختلف اصناف کے لیے مقرر ہوگئے ہیں۔ وہ جانے بوجھے کردار کی خصوصیتوں میں تبدیلی پسند نہیں کرتا اور جہاں تک نئے کرداروں کا سوال ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ عمومیت کا خیال رکھنا چاہیے ،یہ سب روایت پرستی ہے لیکن بعض باتیں اتنی بُری نہیں مثلاً اس کا قول کہ اگر کوئی بڑا شاعر ہے تو اس کی ایک دو خامیوں سے ہم درگزر کرسکتے ہیں جیسے کسی حسین عورت کے چہرے پر مسّا ہو''۔[۱۲]

ہومؔر، ارسطو کی طرح ہوریس کا بھی پسندیدہ شاعر ہے۔اپنے خط میں وہ کئی ایک جگہ ہومر کی تقلید کا مشور دیتا ہے۔یہ مشورہ اپنے اندر کافی گہرائی رکھتا ہے۔ہوریس ایک ایسے شخص کو جو شاعر ،ڈرامانگار یا ادیب بننا چاہتا ہے اُسے'عام نچلے درجے کے شاعروں ،ڈرامانگاروں کو پڑھنے کا مشور نہیں دیتا'اونچے درجے کے شاعر ہومؔر کو پڑھنے ،سمجھنے کا مشورہ دیتا ہے۔جس شخص نے کبھی نہر نہ دیکھی ہو' اُسے اُٹھتے ہیں سمندر دکھادیا جائے تو اُس پر کیا گزرے گی ،ہم اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آنکھ کھلتے ہی سمندر دیکھنے والا ،کل قطرے کو نہیں' بحرکو دیکھے گا۔کلیم الدین احمد ہوریس کے اس مشور ہ کو تو سراہتا ہے لیکن پھر کہتا ہے کہ ہوریس سخت روایتی ہے۔بندہ پوچھے کہ ہوریس کے زمانے تک

تنقید کی روایت تھی ہی کتنی؟افلاطون اور ارسطو کے بعد نام آتا ہی ہوریس کا ہے،اتنی سی ہے روایت۔اور اس پر بھی یہ کہنا کہ وہ سخت روایتی ہے۔بقول شاعر،آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ اُٹھائے گئے، والا معاملہ ہے۔

کلیم الدین احمد نے اپنے مضمون میں دو انگریز نقادوں کے بھی تنقیدی حوالے دیے ہیں' جنھوں نے ہوریس کی آرس پوئیکا کا تنقیدی جائزہ لیا تھا،اُن میں سے ایک تو سینٹس بری ہے اور دوسرے کا نام کلیم الدین احمد نے نہیں لکھا۔اُن اقتباسات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینٹس بری نے آرس پوئیکا کی تعریف کے ساتھ ساتھ' کچھ تنقیص بھی کی ہے۔کلیم الدین احمد کی ہوریس پر تنقید کی صورت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ چنانچہ سینٹس بری کی ہوریس پر کی گئی تنقید کو پیش کرتے ہوئے کلیم الدین احمد نے لکھا:

''بہر کیف کٹر ضابطہ پرستی سے Ars Poeticaایسی بھری پڑی ہے کہ Saintsbury نے جھنجھلا کر اس کا نام De Mediocritate رکھ دیا ہے،لیکن اپنی ناپسندیدگی کا پُرزور بیان کرکے وہ اس کی خوبیوں پر بھی کچھ نظر ڈالتا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں خالص ادبی تنقید ہے اور اب کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی کہ ادب محض ایک ذریعہ ہے۔اصل گوہر مراد اخلاق ہے یا فلسفہ اور چونکہ ہوریس خود شاعر تھا اس لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا' جیسا کہ کسی نے کہا:

جانتے ہو نقاد کون ہیں؟وہی جو ادب اور فن میں ناکام رہے ہیں۔پھر یہ بھی ہے کہ اس چھوٹے سے منظوم مقالے میں ہوریس نے بہت سے اقتباسات دیے ہیں جن سے اس کا ذوق ادب ظاہر ہوتا ہے۔بہرکیف ،ہوریس کے مشوروں کی Saintsbury ان لفظوں میں تلخیص پیش کرتا ہے:

"Observ order,do not groval or too high;stick to the usage of reasonable and well-bred persons;be neither stupid nor shoaking;above all. like the best of your predecessors, stick,to the norm of the class;do not a tempt a perhaps ampossible and certainly dangerous in dividuality.

اور وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ قدیم آرٹ کی نقل کی جگہ اب فطرت کی نقالی لے رہی ہے،یہ بات صحیح نہیں۔ہوریس کو فطرت کی نقالی سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہوریس کے قواعد ہر قسم کی شاعری کے لیے ضروری ہیں''۔[۱۳]

کچھ بھی کہا جائے اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی شعروادب میں خالص ادبی تنقید کی پہلی شمع ہوریس ہی نہیں جلائی تھی۔ہوریس کے اخلاقی مشورے بے شک جدید نقادوں کو نہ بھائیں' لیکن ان مشوروں سے اُنہیں مفر بھی نہیں۔شعروادب ونقد ہی کیا زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اقدار کی جتنی ضرورت آج محسوس کی جارہی ہے اُتنی شاید کل نہ ہو۔ہوریس کے نکات محدود تصورات کے حامل نہیں ہیں ۔اُنہیں مدِ نظر رکھ کر شاعری کی تمام نہیں تو ادب کے زمرے میں آنے والی دیگر تمام اصناف میں فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔دوسرا نقاد جس کا نام کلیم الدین احمد نے نہیں لکھا۔اُس نے سینٹس

بری کے خیالات سے کچھ اختلاف کیا ہے اور ہوریس کی عظمت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اور الفاظ کے حوالے سے ہوریس کی کی گئی گفتگو کواُس نے دلیل کے طور پر پیش کیا،کلیم الدین لکھتے ہیں:

''اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہوریس نے الفاظ کے استعمال سے متعلق بہت مفید مشورے دیے ہیں جن سے اچھے ، بے عیب اُسلوب پر دسترس ہوسکتی ہے۔اور وہ اس کے بہت سے مقولے اپنی بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے:

In words, as fashion, the same rule

A like fantastic,if too new or old

Be not the first by whome the new was tried

Nor yet the last to lay the old aaside.

یعنی الفاظ اور فیشن میں ایک ہی قانون کارفرما ہے۔سراسر نیا ہو یا یک قلم قدیم وفرسودہ ہوتو عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں۔اس لیے وہ مشورہ دیتا ہے کہ نئے الفاظ کے اختراع یااستعمال میں اولیت کا خیال چھوڑ دو، اسی طرح قدیم وفرسودہ الفاظ کوتا دیر استعمال نہ کرو۔نئے الفاظ سے متعلق اس کا قول ہے:

Newly coined words will get by if they are taken from the greeks, a few at a time;

نئے الفاظ کھپ جائیں گے اگر وہ یونانی زبان سے کم لیے جائیں اور سوچ سمجھ کر استعمال کیے جائیں اور ان کے استعمال کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔اسی طرح قدیم الفاظ کے متعلق اس کا کہنا ہے:

Many words that have perished will be reborn, and many will perish that now live respected, if usage says so usage is judge and lord and rule of speech.

یعنی بہت سے قدیم الفاظ جو نیست ونابود ہوگئے ہیں وہ دوبارہ جنم لیں گے اور بہت سے نئے الفاظ جو آج مستعمل ہیں وہ نیست ونابود ہوجائیں گے اگر وہ استعما ل میں نہ رہے کیونکہ استعمال ہی تحریر وتقریر کا حاکم ،قانون اور قاعدہ ہے''۔[۱۴]

کلیم الدین احمد نے اس نقاد کا نام تو نہیں لکھا جس نے ان حوالوں سے ہوریس کی عظمت ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔لیکن یہ لکھا کہ 'یہ نقاد ہوریس کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ وہی اُصول ہیں جن پر الیٹ کارفرما ہے۔المختصر کلیم الدین احمد کو ہوریس کے ہاں کام کا نکتہ ایک ہی ملتا ہے، جو یہ ہے:

People like to ask whether a good poem comes nature or is produced by craft.So far as I can see neither book learning without a bit of inspiration nor unimproved genious can get very far.The two things work together and need each other.

ہوریس کا یہ اقتباس پیش کرنے کے بعد کلیم الدین احمد نے لکھا:

''یہی ایک کام کی بات ہے ۔افلاطون شاعری کو جنون، الہام، دیویوں کے سائے کا نتیجہ سمجھتا تھا اور جیسا کہ میں نے الیٹ کا قول نقل کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔شاعری صرف الہام نہیں ، جنون نہیں، دیویوں کے سائے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ کوہکنی سے کم نہیں۔ہوریس الہام اورفن دونوں کو شاعری کے لیے ضروری سمجھتا ہے اور یہ کام کی بات ہے جسے اب سب مانتے ہیں''۔[۱۵]

ہوریس کے تنقیدی نکات پر ناقدین کے ان خیالات کے بعد اب ہم ہوریس کی آرس پوئیکا یعنی 'فنِ شاعری' کے تشریح وتنقیدی جائزے کی طرف بڑھتے ہیں۔

آرس پوئیکا ہوریس کی آخری دور کی تصنیف ہے۔اپنی دوسری کتابوں کی طرح ہوریس نے آرس آف پوئیکا کو بھی نظم کی صورت میں قلم بند کیا۔ناقدین کے بقول :ہوریس نے یہ نظم 'پیسو' خاندان کے کسی ایسے آدمی کے لیے لکھی تھی جو ادیب، شاعر یا ڈراما نگار بننا چاہتا تھا۔اردو ناقدین نے ہوریس کی فنِ شاعری کا تنقیدی جائزہ لینے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی ہے۔ایک دو صفحے میں آرس پوئیکا کا خلاصہ پیش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔یعنی اُسے لائقِ اعتناء نہ سمجھتے ہوئے' شرح وبسط سے اُس کا جائزہ نہیں لیا۔حالانکہ آرس پوئیکا تفصیلی تنقیدی جائزے کا استحقاق رکھتی تھی۔ایک دو نہیں بلکہ بہت سے تنقیدی خیالات ونظریات آرس پوئیکا میں ایسے ملتے ہیں' جو ہوریس کے زمانے میں تو کچھ اور صورت اور معنی رکھتے ہوں گے' لیکن آج کچھ اور۔خاص طور پر زبان کے بارے میں ہوریس نے گہری باتیں کی ہیں۔پندرہ صفحات پر مشتمل ہوریس کے اس مختصر تنقیدی رسالے سے ہم اہم تنقیدی نکات کا' ترتیب کے ساتھ تشریح وتنقیدی مطالعہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ:

ہوریس کہتا ہے کہ فنکار(وہ شاعر ہو،خطیب ہو یا ڈراما نگار) کو چاہیے کہ وہ اپنے فن کو ایک ایسی وحدت میں متشکل کرنے کی سعی کرے کہ کہیں سے بھی وہ بے ربط، بے جوڑ یا فطرت سے دور محسوس نہ ہو۔کیونکہ فن پارے میں کوئی ایسی بات جو مافوق الفطرت ہو، بے سروپا ہو، ناظر وسامع پر اچھا اثر نہیں چھوڑتی، بلکہ ایسی بات تو مضحکہ خیز ثابت ہوا کرتی ہے۔

''فرض کیجیے کہ ایک مصور ایک گھوڑے کی گردن پر انسان کا سر لگا دیتا ہے یا مختلف رنگوں کے پر مختلف قسم کی مخلوق کے اعضاء پر چپکا دیتا ہے یا ایک ایسی تصویر بناتا ہے جس کے اُوپر کا دھڑ تو ایک خوبصورت عورت کا ہے لیکن نچلا دھڑ ایک بدشکل مچھلی کا ہے۔جب اپنی ان کاوشوں کو وہ آپ کے سامنے پیش کرے گا تو کیا ایسے میں آپ اپنی ہنسی روک سکیں گے؟ دوستو! میری بات مانیے کہ ایک کتاب کا بھی وہی اثر ہوگا، جو ان تصاویر کا ہے''۔[۱۶]

ہوریس کے اس بیان میں جہاں کئی تنقیدی نکات مضمر ملتے ہیں وہیں اُس دور کے عقائد وتصورات کے بارے میں بھی آگاہی ملتی ہے۔گھوڑے کی گردن پر انسانی سر کے لگانے کا عمل آج بھی کیا جاتا ہے۔ہمارے ہاں 'براق' کو اسی

صورت میں بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔کچھ روایتیں بھی اس صورت کو ثابت کرتی ہیں۔مختلف مخلوقات کو رنگ برنگے پر لگا کراور اُن کے چہروں کا خوفناک بنا کر آج بھی Super natural فلمیں بنائی جاتی ہیں۔بلکہ ایسی فلمیں تو آج بہت زیادہ بزنس کرتی ہیں۔بچہ ہو،جوان ہو یا بوڑھا،سب کو ایسی فلمیں اپنی طرف کھینچتی ہیں۔مچھلی کے دھڑ پر خوبصورت عورت کا سر لگا کر اُسے ایک انوکھی مخلوق میں پیش کرنا بھی آج کے دور میں بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔پُرانے قصوں کہانیوں میں ایسی مچھلی کے بارے میں بڑے دلچسپ بیانات ملتے ہیں اور آج بھی ایسی مچھلی کو 'جل پری Murmaid کہتے ہیں۔اس پر بھی کئی افسانے اور ڈرامے بنائے گئے ہیں۔ڈاکومنٹری فلموں میں تو بتاتے ہیں کہ یہ مخلوق یعنی جل پریاں سمندروں میں اور سمندروں کے سواحل پر دیکھی گئی ہیں۔حقیقت کچھ بھی ہو،ادب وآرٹ میں ان کا بیان شاید اصلی اور واضح اور خوبصورت دنیا سے بیزاری کو ظاہر کرتا ہے۔ظاہری دنیا پر مبنی کہانیاں، شاعری ،ڈرامے، افسانے اپنی اہمیت کسی قدر کھو چکے ہیں۔اک بے کلی کی فضا چہاردانگ عالم میں پائی جارہی ہے۔ہوریس کے زمانے میں شاید ایسی تصاویر، بے سروپا کہانیاں،ڈرامے ،شاعری اور خطابت عوام کے لیے ہنسی کا باعث ہوتی ہوگی۔لیکن آج کے دور میں اس کے برعکس ایسی باتوں کو سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ہوریس سے پہلے یونانی ادب میں ایسی مافوق الفطرت قصے کہانیاں ملتی ہیں،اوڈیسی میں بھی ہیں۔لیکن ہمیں اس مقام پر ذرا دیر نہیں رکنا چاہیے ،سو اب ہم قلم کو اصل قصے کی طرف موڑتے ہیں کہ ہوریس نے ان متذکرہ مثالوں سے پورے فنون ادب کے اُصول بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اگرچہ ہوریس کا یہ بیان ارسطو کے نظریہ وحدتِ عمل سے اخذ شدہ ہے۔لیکن جس صفائی اور وضاحت سے ہوریس نے ادب وفن کے لیے ایک معیار پیش کیا ہے ،وہ ارسطو کے ہاں نہیں ملتا۔ایک قصے ، ایک کہانی ، ایک ڈرامے یا ایک نظم کو ضمنی بیانات سے بچانا جتنا ضروری ہے اُتنا ہی عوام کے اذہان کو ایسی باتوں سے بچانا، جو اُن سے میل نہ کھاتی ہوں ہوریس کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ایسے بہت سے افسانے اور نظمیں نظر سے گزری ہیں کہ جنہیں اذہان نے قبول کرنے سے انکار تو کر دیا لیکن ایک سوچ کے دائرے میں ذہن کو وہ محصور ضرور کر گئیں ، ایک سنجیدگی نے وہاں ضرور جگہ بنا لی۔ہوریس نے جو ہنسی چھوٹنے کی بات کی ہے وہ دوسرے معنوں میں ہے ۔اُن معنوں میں ہنسی آج بھی چھوٹتی ہے۔وہ ہے فن پارے کا بے جوڑ ،بے ربط ہونا۔ہوریس نے استعارتاً گھوڑے اور مچھلی کی مثالی پیش کی ہیں۔اصل میں ہوریس کی مراداس سے ادب وفن کی تخلیق کا بے سروپا ہونا ہے۔عجیب وغریب مخلوقات کو دیکھ کر آدمی کی ہنسی نہیں چھوٹا کرتی بلکہ اُن میں کسی نقص یا میل نہ کھاتی ہوئی بات سے ہنسی چھوٹتی ہے۔ہوریس کے زمانے میں تو یہ بات یقیناً مضحکہ خیز ہوتی ہوگی،لیکن وقت اور مشاہدات کے گزرنے کی وجہ سے اب ہمیں ایسی باتیں مضحکہ خیز محسوس نہیں ہوتیں۔مگر ہمیں ان باتوں کو عوام تک ہی متصور کرنا چاہیے۔ادب وآرٹ میں ہوریس کے اس نکتے پر عمل کرنا چاہیے۔بیان کو اور چیزوں کو اُن کی مناسب جگہوں پر ہی ہونا چاہیے ۔نہ خیال اپنی جگہ سے ہٹے نہ لفظ ،جو بیان ہو اپنے دائرے ہی میں ہو ،اُس سے باہر نہ نکلے ۔سنجیدگی کے دوران مکمل سنجیدگی برتنی چاہیے اور مزاح کے دوران سنجیدگی کا عمل دخل کم سے کم ہونا چاہیے۔مگر ایک بات کا دھیان رہے کہ ہردوجانب جمال واعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

دوسرا نکتہ:

ہوریس لکھتا ہے:

''شاید آپ بھی جانتے ہوں کہ ایک سرو کی تصویر کس طرح بنائی جائے مگر اُس وقت سرو کی تصویر بنانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے اگر آپ کو ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کے آدمی کو تیر کر جان بچاتے ہوئے دکھانا ہے۔جب ایک کمہار دو دستوں والی صراحی بنانے بیٹھتا ہے اور جب اس کا چاک گھومتا ہے تو آخر وہ ایک معمولی گھڑا کیوں بن جاتا ہے؟مختصر یہ کہ جو چیز بھی آپ بنانے بیٹھیں آپ کو اس پر پوری توجہ دینی چاہیے اور مقصد پر جمے رہنا چاہیے''۔[۱۷]

تمام نقص جو کسی بھی فن پارے میں درآتے ہیں اُس کے پیچھے غیر توجہی کارفرما ہوتی ہے۔غیر توجہی کسی بھی فن پارے میں انوکھے رنگ نہیں بھر سکتی۔ادب وآرٹ ہی کیا دنیا کے تمام کام ہی توجہ کے طالب ہیں۔بے توجہی کاموں کو نقص زدہ کردیتی ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ بے توجہی ہر جگہ کیوں آڑے آجاتی ہے؟اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ بے توجہی بے ذوقی سے جنم لیتی ہے ،اور توجہ ذوق وشوق سے ۔جہاں شوق نہیں وہاں بے توجہی او ربے حضوری قلب کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ذوق وشوق قلب ونظر کو اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچاتے ہیں۔جب یہ نہیں تو فنکار کے قلب ونظر کیونکر کوئی عظیم فن پارہ تخلیق کرسکتے ہیں۔ذوق وشوق حاضر ہیں تو فنکار کو چاہیے کہ اپنے خیال کو ہر جہت سے دیکھے ،پرکھے ،تولے۔ہر سمت سے تراشنے کے بعد اُسے ظاہری شکل میں پیش کرے۔اس کام میں عجلت پسندی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دے۔کہ جو کام عجلت پسندی سے انجام پاتا ہے وہ نامکمل اور بے رنگ ورس ہوتا ہے۔ہر کام مکمل یکسوئی چاہتا ہے۔دوسری بات یہ کہ جس موضوع پر لکھنا ہو تو اُس سے مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔اُس موضوع پر اختصار سے لکھا جائے یا مفصل،دونوں معاملوں میں لکھاری کو اُس وقت تک اپنے موضوع سے نہیں ہٹنا چاہیے جب تک کہ وہ ہر سمت سے اچھی طرح ظاہر وباہر نہ ہوجائے۔اور یہ کام پوری لگن اور توجہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

تیسرا نکتہ:

ہوریس کہتا ہے؛کہ فنکار کو موضوع کے انتخاب میں بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔جس میں اُس کی تمام صلاحتیں بروئے کار آسکیں۔اگر اُس نے خوب سوچ سمجھ کر کوئی موضوع منتخب کیا تو پھر اُسے اپنے فن کے جوہر دکھانے میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی۔لفظ اور نئے سے نئے خیالات اُس کے آگے صف بنائے کھڑے ہوتے جائیں گے۔کیونکہ الفاظ اور خیالات کی ترتیب ودلکشی بہت ضروری ہے۔جب اس کا پسندیدہ موضوع ہوگا تو وہ لفظوں کو ضرورت کے مطابق استعمال میں لائے گا۔خواہ مخواہ لفظوں کا ضیاع نہیں کرے گا۔جس نظم کے لیے جتنے اور جس طرح کے لفظوں کی ضرورت ہوگی ،اُس سے تجاوز نہیں کرے گا۔یہ سب باتیں تب حاصل ہوسکتی ہیں جب فن کار اپنی صلاحیتوں کے مطابق موضوع چُنتا ہے،کیونکہ بے سوچے سمجھے فن کے اظہار کے لیے کوئی بھی موضوع لے بیٹھنا،وقت اور صلاحیتوں کو تباہ کرنے کے برابر ہوتا ہے۔

چوتھا نکتہ:

ہوریس اپنے خیالات کی ابتدا عام مثالوں سے کرتا ہے۔یعنی پہلے لوگوں کے عام معاملات پیش کرتا ہے اُس کے بعد اُن مثالوں سے اپنے تنقیدی نظریات وضع کرتا ہے۔ہوریس کہتا ہے کہ الفاظ کا صحیح استعمال بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔الفاظ کو نئے نئے معنی دینے پر بھی ہوریس نے زور دیا ہے۔وہ کہتا ہے کہ 'یہ بات ہمیشہ مسلم رہی ہے اور مسلم رہے گی کہ عصرِ حاضر کی کسوٹی پر کسے ہوئے الفاظ رائج کیے جائیں'۔یعنی پُرانے الفاظ اگر ضرورت کو پورا نہیں کر رہے تو نئے الفاظ چاہے وہ دوسری کسی زبان ہی کہ کیوں نہ ہوں لے لیے جائیں،تا کہ زبان میں وسعت پیدا ہوتی رہے ۔اس بات کو ہوریس نے جنگل کی پتیوں سے مثال دے کر سمجھایا ہے (اگرچہ یہ مثال ہوریس کے نظریے پر پوری نہیں اُترتی) کہ جیسے جنگل سال کے اخیر میں اپنی زرد پیلی پُرانی پتیاں گرا دیتے ہیں اور اُن کی جگہوں پر نئی پتیاں لے آتے ہیں،اسی طرح زبان بھی مرجایا کرتی ہے،اور اُس کی جگہ پر دوسرے الفاظ آجایا کرتے ہیں۔ہوریس کے اس خیال سے یہ سمجھ لینا کہ پُرانے الفاظ ختم کر کے نئے الفاظ زبان میں داخل کیے جائیں،ہرگز یہ مطلب نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ نئے الفاظ زبان میں داخل کرنے چاہییں اور ضرورت پڑھنے پر پُرانے الفاظ کو بھی استعمال میں لانا چاہیے۔کیونکہ کبھی کبھی رائج الفاظ سطحِ عام سے غائب ہوجاتے ہیں اور کبھی کبھی پُرانے الفاظ نئے بن کر دوبارہ رائج ہوجاتے ہیں۔

> ''بہت سے الفاظ جو اب استعمال نہیں ہوتے اگر ہمیں اُن کی ضرورت پڑی تو وہ پھر سے زندہ ہوجائیں گے،اور دوسرے جو اب رائج ہیں مرجائیں گے ،کیونکہ یہ رواج ہی ہے جو زبان کے قانون اور روایت کو قائم رکھتا ہے''۔[۱۸]

ہوریس کے جملے کا یہ فقرہ توجہ چاہتا ہے کہ 'یہ رواج ہی ہے جو زبان کے قانون اور روایت کو قائم رکھتا ہے'۔اس فقرے میں بہت سے اشارے مضمر ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ نئی تنقیدی تھیوری نے اعلان کیا ہے کہ زبان ایک ثقافتی عمل ہے۔اُنہیں اس بات کا علم آج ہوا۔حالانکہ اس بات کا علم ہر کس وناکس کو رہا ہے اور ہے۔کون نہیں جانتا کہ اس دنیا میں ہر طرف بہت سے مظاہر ایک انتشار کی کیفیت میں ہیں۔ساختیاتی اور پسِ ساختیاتی ناقدین سے پوچھا جائے کہ یہ لفظ جسے ''قانون'' کہتے ہیں ،یہ کیا ہے ؟ کہاں سے آیا؟ کس نے ایجاد کیا؟ کیوں ایجاد کیا؟ کس کے لیے ایجاد کیا؟ ہاں ! اُنہیں ان سوالات کے جوابات کی بخوبی خبر ہے۔مگر دیں گے نہیں۔یوں تو اُن کی زبان کے آگے بارہ بل چلتے ہیں ،لیکن یہاں اُن کی زبان (قصداً) گنگ ہوجاتی ہے۔لاقانونیت کسے کہتے ہیں؟ جہاں کوئی ضابطہ وقانون نہ ہو۔انتشار وافتراق کی فضا ہر طرف ہو۔قانون اس منتشر فضا کو مرکز عطا کر دیتا ہے۔اسی سے پھر روایت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔جب قانون نہیں تھا مرکز نہیں تھا،جس کا جو دل چاہتا تھا کرتا تھا ۔ماہرین نے اُس زمانے کو پتھر کا زمانہ کہا ہے۔

ساختیاتی وپسِ ساختیاتی مفکرین دنیا کو آگے کی طرف نہیں، ہزاروں سال پیچھے لے جانا چاہ رہے ہیں۔ہزاروں سال کی لوگوں کی کدوکاوش سے بنے ہوئے سونے کے گھر کو مٹی میں ملا رہے ہیں۔جن حالات سے تنگ ہوکر لوگوں نے ،انسانیت کے خیرخواہوں نے،انسانیت کی فلاح وبہبود چاہنے والوں نے نہ صرف اپنے لیے بلکہ سب کے لیے اخلاقی

اقدار، ضابطے قوانین بنائے یہ مفکرین دوبارہ اُس عالی شان فلک بوس بُرج کو خاک میں ملانے کو تُل گئے ہیں۔جب کچھ بھی اپنی جگہ پر نہیں رہے گا تو پھر پتھر کا زمانہ آ جائے گا۔جس کا جو دل چاہے گا کرے گا۔بہت سے آثار تو ظاہر ہو چکے ہیں۔کسی نہ کہا خدامر چکا ہے(معاذاللہ)،کسی نے کہاانسان مر چکا ہے،کسی نے کہامصنف مر چکا ہے،کسی نے کہا فرد مر چکا ہے،کسی نے کہا تاریخ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔جب سب کچھ مر چکا ہے تو پھر یہ دنیا کا کارخانہ کیسے چل رہا ہے؟الغرض جس کے دل میں جو آرہا ہے وہ اُس کا بہ بانگِ دُہل اعلان کررہا ہے۔یہ سب کیا ہے بے خوفی، لاقانونیت،مرکز سے دوری، اخلاقی اقدار سے دوری۔اور یہ سب کچھ کب تھا ؟ پتھر کے دور میں۔سوآج پھر یہ یورپ کے اعلیٰ اذہان ہمیں پتھر کے دور میں لے جارہے ہیں۔جانور اپنے مرکز جس کے ساتھ وہ بندھا ہوتا ہے، سے دور ہوجائے تو پریشان ہوتا ہے ،روتا ہے۔ہم تو پھر انسان ہیں اپنے گھر(مرکز) سے دور ہوجائیں گے تو کیوں نہ روئیں گے۔اس صورتِ حال میں فنکار کیوں نہ روئیں گے، مصنف کیوں روئیں گے،تخلیق کار کیوں نہ روئیں گے،۔دوسری طرف فن پارہ کیوں نہ روئے گا،تصنیف کیوں نہ روئے گی،تخلیق کیوں نہ روئے گی،اور ان دونوں کے ناظر وقاری کیوں نہ روئیں گے۔جب کوئی بھی قانون کے دائرے (مرکز) میں نہیں تو افسردگی، بے چینی، تنہائی، بیزاری، کیوں نہ پیدا ہوگی۔یورپ نے مرکزیت کے خلاف یہ جنگ شروع کی تھی اور اُس نے ہی اس کا نتیجہ دوجنگوں کی صورت میں بُگھتا۔اور اُن جنگوں کے اثرات پوری دنیا پر بسنے والوں پر ہوئے۔یہ سارا مرکز سے دوری ہی کا نتیجہ تھا۔جب ہر طرف تباہی ہوگئی تو یورپ دوبارہ اپنے مرکز کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔وہ سمجھتا تھا کہ مرکز کا دوبارہ حصول بڑا آسان کام ہے ۔اُسے خبر نہیں تھی کہ جس مرکز کو وہ کوڑیوں کے مول بیچ چکے ہیں ،وہ ایک دوصدی کا نہیں، ہزاروں سال کی محنتوں کا ثمر تھا۔اب وہ مختلف ''ازمز Ism'' کی ایجادواختراع سے مرکز ڈھونڈنے نکلے ہیں۔لیکن مرکز اتنی جلدی دوبارہ کہاں ملے گا۔

ہوریس سے قبل کی تصانیف میں اس قسم کی باتیں بہت ہیں۔افلاطون کی 'مثالی ریاست' کیا ہے۔لامرکزیت کوختم کرکے ،ایک اچھے مرکز کی تخلیق ہی تو اُس کا مقصد تھا۔جس میں اُس نے بُرے شاعروں کو جگہ دینے سے انکار کردیا تھا۔کیوں کہ ایسے شاعر اور اُن کی شاعری مرکز کو توڑنے کا کام کرتی ہے،دوسرے لفظوں میں اُس کی مثالی ریاست کو توڑنے کا کام کرتی ہے۔اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ ہم کسی بھی شخص کو اور اُس کے ذہن کو اُصول وضوابط کے دائرے سے باہرنہیں رکھ سکتے۔یہ قیدوبند ہی قانون ہیں، اور اسی سے ہی مسکراتی زندگی کی تمام رونقیں۔

پانچواں نکتہ:

ہوریس کہتا ہے کہ شاعر اگر یہ چاہتا ہے کہ اُس کی نظم سننے (یا پڑھنے) والے کو بھی اپنے ساتھ لے اُڑے تو اُسے چاہیے کہ اُس کی نظم میں جادوبھرا ہوا ہو۔شاعری میں جادو بھرنے کی بات میں آمد اور آورد کی طرف اشارہ ہے۔اگرچہ ہوریس آمد اور آورد سے بھی بڑھ کر بات کررہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ آدمی کے دل ودماغ پر گزرتا ہے اُس کی زبان، چہرے بلکہ پورے جسم ہی سے اُس کا اظہار ہوتا ہے۔خوشی کے عالم میں مسرت وشادمانی اُس کے مکمل وجود سے چھلکے گی،غم والم کے عالم میں دردوکرب کی وہ سرتا پا تصویر بن جاتا ہے۔اِن دونوں ہی کیفیتوں میں اُس کا اپنا عمل

دخل کچھ نہیں ہوتا۔ہوریس یہاں بہت زیادہ حقیقت پسند نظر آتا ہے، بلکہ اُس کی حقیقت پسندی،حقیقت آشنائی کی آخری حدوں کو چھونے لگتی ہے۔یعنی خوشی وغمی کی تمام تر کیفیات کو'قسمت' کے حوالے کر دیتا ہے۔وہ کہتا ہے:

''یہ قسمت ہی ہے جو ہمارے اندر خوشی وخرمی یا غم وغصہ کے جذبات پیدا کرتی ہے۔وہی ہمیں تکلیف سے زمین پر جھکا دیتی ہے اور اس کے بعد ہی اُن محسوسات کو ہماری زبان سے ادا کراتی ہے''۔[۱۹]

ہوریس کا یہ بیان مادیت پسندوں کی تباہی کرتا ہے۔ادب وآرٹ کو کلی طور پر مادیت کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔انسان کیا دوسری مخلوقات پر بھی اس دنیا کے اور اس دنیا ہی میں نہ نظر آنے والی اُس دنیا کے اثرات مسلسل پڑ رہے ہیں۔اسی لیے جب ان دونوں جلی اور خفی دنیاؤں سے اسے خوشی یا غمی ملتی ہے تو یہ ویسا ہی اظہار کرتا ہے۔ان باتوں سے ہوریس یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ شعروادب کو تصنع سے دور رکھنا چاہیے۔تصنع یا بناوٹ،آورد وغیرہ سے جو شعروادب تخلیق کے مراحل طے کرتے ہیں،اُن میں جادو نہیں ہوتا۔یعنی شعروں میں اثر واکسیر کا عنصر غائب ہوجاتا ہے۔ضروری ہے کہ عالم اِلم ہو یا عالمِ طرب، دونوں ہی میں حقیقی عناصر کو شعروادب کی تخلیق کے لیے مدِ نظر رکھا جائے۔اس نسخے پر عمل کرنے سے شاعر اپنے کلام سے سننے اور پڑھنے والے کو اپنے ساتھ بلندیوں کی طرف لے اُڑے گا۔موجودہ دور میں اس اہم حقیقت کا فقدان نظر آتا ہے۔فنکار کے مدنظر اپنے اندروں کا اظہار نہیں ہے بلکہ وہ دوسروں کے فن پاروں کو دیکھ کر شاعری کر رہا ہے۔لفظ،استعارے، علامتیں،فقرے، جملے،الغرض کتابوں کے نام تک میں وہ اپنے عہد کے دوسرے فنکاروں کی نقل کر رہا ہے۔کیا ایسا نہیں ہے؟ کہ اُس کا اندروں کچھ چاہ رہا ہوتا ہے ،لیکن وہ لکھ کچھ رہا ہوتا ہے۔یہی تصنع ہے،اسی سے ہوریس نے روکا ہے۔

چھٹا نکتہ:

پانچویں نکتہ میں جو بات ہوئی ہے ،ہوریس اُسی سے ایک اور اہم نکتے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے۔چنانچہ وہ کہتا ہے کہ عظیم فنکار بننے کے لیے گھسے پٹے رستے پر چلنا چھوڑ دینا چاہیے۔نئے راستے تلاش کرنے چاہییں۔نئی ایجادات کی طرف توجہ دینی چاہیے۔لیکن یاد رہے کہ نئی ایجادات اور نئے راستوں کی تلاش اول تا آخر ہونی چاہیے،یعنی مکمل ومربوط ہونی چاہیے۔ایک اور بات بھی ہوریس کہتا ہے:

''پٹے ہوئے موضوعات میں جدت پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔بجائے اس کے کہ آپ ایسا موضوع لائیں جو اب تک کبھی پیش نہیں ہوا تھا۔یہ بہتر ہے کہ ٹرائے کے قصے کو ہی ڈرامائی شکل دیں۔ایک عام موضوع بھی آپ کی ملکیت بن سکتا ہے بشرط یہ کہ آپ پٹے ہوئے طریقے پر چل کر اپنا وقت ضایع نہ کریں۔نہ آپ یہ کوشش کریں کہ آپ کسی پُرانی چیز کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیں یا کسی مصنف کی نقل میں آپ ایسی مشکلات میں پڑ جائیں یا وہ اُصول جو آپ نے اپنے اُوپر عائد کیے ہیں، ان میں اُلجھ جائیں کہ پھر خود کو ان سے الگ نہ کرسکیں''۔[۲۰]

یہاں ہوریس نے مصنف وشاعر کو کچھ رعایت دی ہے کہ اگر وہ کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کرسکتا تو اُسے چاہیے کہ وہ

پُرانے پٹے ہوئے موضوعات میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کرے ۔جدت ہر صنف میں کئی جہات سے پیدا کی جاسکتی ہیں۔ان اصناف اور جہات کا تعین بھی آسان ہے لیکن اُن کو عمل میں لانا اتنا آسان نہیں ہے۔شعروادب ہی کیا ہر شعبہ ٔحیات میں کوئی دن نہیں جاتا کہ نت نئے تجربات کیے جارہے ہیں۔کیوں کیے جارہے ہیں؟ تا کہ کہیں کچھ نیا ہوجائے ،کہیں کوئی جدت پیدا ہوجائے،لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان سب تجربات ومشاہدات کو ذرا بھی دوام حاصل نہیں ہو پارہا۔وجہ یہ ہے کہ شعروادب میں تجربہ کرنے کے لیے اُسی نکتے پر عمل کرنا چاہیے،جس کا ذکر ہوریس نے پہلے کیا کہ شاعر کو وہی کچھ کہنا چاہیے جو اُس کے اندر سے نکلے اور تجربے میں بھی اس بات کا لحاظ رکھے' کیونکہ تجربے میں یہ امر مفقود ہوجاتا ہے۔اس طرح وہ صرف ایک تجربے کی حیثیت رکھتا ہے،فن پارے کی نہیں۔فن پارے کی تشکیل وتکمیل کے لیے اندر کے ایندھن کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ۔ہاں دیگر شعبوں میں کیوں معروضی طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے تو وہاں یہ بات صادق نہیں آئے گی۔یہاں ابھی اس سوال کے اُٹھانے کی فی الحال ضرورت نہیں کہ شعروادب بھی تو اب سائنس کا درجہ اختیار کرگئے ہیں۔پُرانے موضوعات میں نئے رنگ بھرنے سے بھی بات کسی قدر بن جایا کرتی ہے۔یہ بات بخوبی یاد رہے کہ جدت سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ پُرانی اصناف واصطلاحات وقواعد وضوابط کو توڑ مروڑ دیں اور پھر اُس تباہی کا نام جدت رکھ دیں۔اور آج یہی کچھ ہو رہا ہے اور اسی کا نام جدت رکھا ہوا ہے۔ہوسکتا ہے کہ جدت کے معنی کچھ اور ہوں لیکن راقم کے نزدیک جدت کا یہ معنی ومفہوم زیادہ اچھے ہیں کہ کسی شکل میں پچھلی تمام اشکال کی خوبیاں مضمر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی وہ خوبیاں بھی ہوں جو پچھلی گزرنے والی اشکال میں سے کسی میں بھی نہ ہوں۔ہوریس بھی غالباً ایسی ہی جدت کی بات کررہا ہے۔لیکن ہم نے اس کے برعکس پُرانی چیزوں ہی کو توڑنا پھوڑنا شروع کردیا ہے۔جو یقیناً بنیادکا درجہ رکھتی ہیں۔ہم بنیاد کو گرا کر کیونکر نئی عمارت تعمیر کرسکتے ہیں۔اگرچہ یہ امر نہ ممکنات میں سے نہیں مگر اتنا ممکن بھی نہیں ۔ہم جس بنیاد کی بات کررہے ہیں ،وہ ایک دوسال کی نہیں صدیوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔موجودہ دور میں توڑنے پھوڑنے والو ں نے توڑنے پھوڑنے کے باقاعدہ اُصول وضع کیے ہیں۔اُن اُصولوں سے نہ تو وہ خود بچ پارہے ہیں نہ کوئی دوسرا،ہوریس کے بقول اب وہ اپنے ہی عائد کردہ اُصولوں کی قید سے نہیں نکل سکتے۔یعنی اُن کی حالت یہ ہے کے نہ اُنہیں اُگلتے بنتی ہے نہ نگلتے۔

ساتواں نکتہ:

ہوریس کہتا ہے کہ موضوع کا انتخاب تو اپنی جگہ اہم ہے ہی،لیکن اس کے ساتھ ایک اور طرف بھی توجہ دینا بہت ضروری ہے۔اور وہ ہے ''گہرا شعور''۔

> ''اچھی تصنیف کی بنیاد اور مخرج گہرا شعور ہے۔سقراط کی تصانیف آپ کو مواد فراہم کریں گی اور اگر آپ اپنے موضوع کا خیال رکھیں گے تو الفاظ از خود آتے چلے جائیں گے''۔[۲۱]

اچھے موضوع کا انتخاب بھی اچھے اور شفاف اور گہرے شعور کے بغیر نہیں ہوسکتا۔اچھا اور گہرا شعور نہیں ہے تو فنون لطیفہ کے طرف توجہ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔کائنات کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ گہرا شعور چاہتا ہے۔باریک بینی کے بغیر

نہ اس دنیا میں کسی قسم کا مجاہدہ ہوسکتا ہے نہ مشاہدہ۔ادب وفن باریک بینی اور حساسیت چاہتے ہیں۔باریک بینی اور حساسیت کی تقویت کے لیے عصری آگہی اور رُوح عصر کے بارے میں بھی مکمل آگہی درکار ہوتی ہے۔مسلسل رونما ہونے والے حالات وواقعات وحادثات اورچھوٹی چھوٹی چیزیں،جنہیں اور لوگ لائقِ اعتناء نہیں سمجھتے' وہ بھی ادیب وشاعر کی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہییں۔ہوریس نے سقراط کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا کہا ہی اسی لیے ہے کہ سقراط کی اگرچہ کوئی ایک بھی کتاب آج نہیں ملتی لیکن اُس کے خیالات وافکار جو افلاطون نے مکالمات میں درج کیے ہیں بہت گہرائی کے آئینہ دار ہیں۔سقراط کا نام ہوسکتا ہے یہاں استعارے کے طور پر ہوریس نے استعمال کیا ہو۔یعنی وہ تمام اعلیٰ دماغ جن سے عظیم ادب پیدا ہوا ہے اُن کو پڑھنے سے بھی وسیع تناظر حاصل ہوتا ہے اور شعور کے گہرے چشمے پھوٹتے ہیں۔جو ادب وآرٹ کی تخلیق کے لیے بہت ضروری ہیں۔اصل میں جس قدر نظریں تیز ہوں گے،اُسی قدر درونِ سینہ خزائنِ شش جہات اُترتے چلے جائیں گے۔کم نظری جہانِ خشک وتر کو درونِ سینہ اُترنے نہیں دیا کرتی۔فنکار کو عظیم بننے کے لیے نہ صرف عظیم مصنفوں ہی کا مطالعہ کرنا چاہیے بلکہ اس عالمِ آب وخاک پر بھی گہری نظر رکھنی چاہیے کیونکہ نو بہ نو افکاروخیالات کا منبع وماخذ ہے ہی یہ۔اس کی مزید تشریح وتوضیح یوں کی جاسکتی ہے کہ فنکار کو نہ صرف ادب وآرٹ بلکہ دیگر تمام شعبہ ہائے حیات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ہر شعبہ کے عالم نے اپنی کتب میں بے بہا خزانے جمع کیے ہوتے ہیں،جن کی طرف توجہ دینے کی فنکار کو اشد ضرورت رہتی ہے۔افکار وتخیل چونکہ اس کائنات کے اندر پنپتے ہیں تو دیگر شعبے بھی اُن کو پنپنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔اسی لیے ہوریس نے ''گہرے شعور'' کا کہا،او راس کے گہرے شعوراور وسیع تناظر سے یہی مراد ہے جن کا بیان ابھی ہوا۔

آٹھواں نکتہ:

ہوریس کہتا ہے کہ فنکار کو چاہیے کے وہ جس موضوع،خیال، چیز،تصویر وغیرہ کو اپنے فن سے گزارنا چاہتا ہے،اُس کی صفات سے مکمل آگہی اُسے ہونی چاہیے تاکہ اُس کے مطابق اور اُس سے تعلق رکھنے والی باتوں ہی کو مدنظر رکھ کر بروئے کار لائے۔غیرضروری اورضمنی باتوں سے اُسے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔اس نکتے سے غفلت برتنے کے نتیجے میں فن پارہ اپنی حدوں سے نکل کر دورجا پڑتا ہے۔اصل میں یہ نکتہ ارسطو کے وحدتِ عمل کی تعبیر وتشریح ہی ہے۔ارسطو شاعروں کو نصیحت کرتا ہے کہ اُنہیں ہومر کی مانند اپنی نظموں کو(ڈراموں کو) غیرضروری اورضمنی باتوں سے بچانا چاہیے۔ایسی باتیں فن پارے کی اندرونی اور بیرونی دونوں ساختوں کو کمزور وبے جان کردیتی ہیں،اور وحدتِ عمل مفقود ہوجاتی ہے۔ایک اورطرف بھی ہوریس تخلیق کار کی توجہ مبذول کراتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ فنکار کو چاہیے کہ وہ اپنے موضوع کے لحاظ سے زبان کو استعمال میں لائے۔یعنی جہاں سے موضوع منتخب کرے زبان بھی وہیں کی اُٹھائے۔یہ نکتہ بھی بڑا اہم ہے۔بہت کم لکھاری اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں۔مثال کے طور پر وہ جو کہانی ، افسانہ ،ڈراما یا شاعری تو شہروں سے دور جنگل بیابانوں میں رہ کر تخلیق کرتے ہیں یعنی وہاں سے اپنے خیالات کو جِلا بخشتے ہیں لیکن زبان شہروں کی استعمال کرتے ہیں۔یا اس کے برعکس شہروں میں گاؤں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ مواد کہیں کا ہو اور زبان اور بیانیہ انداز کہیں کا۔

''۔۔۔ایسا آدمی یقیناً اُن صفات سے بھی واقف ہوگا جو اس کے کسی بھی کردار کے لیے ضروری ہیں۔میں یہ کہوں گا کہ تجربہ کار شاعر کو ایک 'نقل' کرنے والے فنکار کی حیثیت سے ،انسانی زندگی اور کردار کو نمونہ بنانا چاہیے اور وہیں سے وہ زبان حاصل کرنی چاہیے جو زندگی کے عین مطابق ہو''۔[۲۲]

نواں نکتہ:

''شاعر کا مقصد یا تو فائدہ پہچانا ہوتا ہے یا دلچسپی پیدا کرنا ہوتا ہے یا پھر دلچسپی ومسرت کو زندگی کے مفید ادراک سے ملانا ہوتا ہے۔جب آپ کسی قسم کا ادراک رقم کریں تو اختصار سے کام لیں تا کہ قبول کرنے والا ذہن آسانی کے ساتھ ،جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں ،سمجھ لے۔جب دماغ کو بہت سی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے تو فالتو چیزیں اس کان سے داخل ہوتی ہیں اور اس کان سے نکل جاتی ہیں۔تصانیف کو جتنا ممکن ہو زندگی سے ہم آہنگ اور قریب ہونا چاہیے''۔[۲۳]

اس نکتے میں ہورلیس نے شاعری کو زندگی کے قریب رکھنے پر زور دیا ہے۔جس قدر شعر زندگی کے قریب ہوگا،اُسی قدر پڑھنے والا لطف ومسرت زیادہ حاصل کرے گا۔اس لیے کہ فاصلوں کی کمی کی وجہ سے ابلاغ زیادہ کام کرتا ہے۔ہورلیس بھی اخلاقیات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔آرس آف پوئیکا میں کئی مقامات پر اُس نے اخلاقی قدروں کی بات کی ہے۔اسی لیے وہ کہتا ہے کہ شاعر کا مقصد یا تو فائدہ پہچانا ہوتا ہے یا دلچسپی پیدا کرنا۔فائدہ سے اُس کی مراد اخلاقیات ہی ہے،وہ شاعری کو اخلاقیات سے جدا متصور نہیں کرتا۔بلکہ وہ شاعری کو اخلاق وہدایت کی تبلیغ وترویج کے لیے بہت زیادہ مناسب خیال کرتا ہے۔

''جو شخص مقصد اور دلچسپی کو ملا کر ایک کردے ہر شخص کا محبوب بن جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے قارئین کو ہدایت کے ساتھ ساتھ مسرت بھی بہم پہنچا رہا ہے۔ایسی ہی کتاب نہ صرف کتب فروش کے لیے منافع بخش ہوتی ہے بلکہ دوردراز کے ملکوں میں بھی پہنچتی ہے اور مصنف کے لیے دائمی شہرت کا باعث ہوتی ہے''۔[۲۴]

ادب کو اخلاقیات سے جدا متصور کرنا ادب کو موت کے گھاٹ اُتار دینے کے مترادف ہے۔مغرب کی نشاۃ الثانیہ کے بعد ادب کے افادی پہلو کے خلاف بہت سے نظریات اور تحاریک اُبھر کے سامنے آئیں،لیکن زیادہ وقت تک وہ زندہ نہ رہ سکیں۔یہ قصہ چلا ہیومنزم سے تھا،لیکن بعدازاں اس قصے میں اردگرد سے بہت کچھ در آیا اور ہیومنزم وداع کر گیا۔کیا ہیومنزم انسانیت کی فلاح کے لیے تھا؟اگر ایسا تھا تو ہیومنزم اخلاقیات کا دوسرا نام تھا،لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاقیات کے خلاف جتنا بھی چاہے پروپیگنڈہ کرلیا جائے،اسے شکست سے دوچار نہیں کیا جاسکتا۔اس کی اہمیت جتنی کل تھی اُتنی ہی آج ہے بلکہ کل سے بھی بہت زیادہ آج ہے۔شعروادب کو افادی ہونا چاہیے، اس کی جان اس کے افادی پہلو ہی میں ہے۔ہورلیس یہی بات کہہ رہا ہے کہ شاعری کو جہاں اپنے اندر خوبصورتی اور حظ وانبساط کے پہلو رکھنے چاہییں،وہیں اس کو ہدایت کا کام بھی کرنا چاہیے۔یہ دونوں پہلو ہی مل کر فن پارے کو عظیم بناتے ہیں۔اس طرح شاعر نہ صرف دائمی شہرت حاصل کر جاتا ہے ،بلکہ اُس کے فن پارے کی مقبولیت سے

دوسرے لوگوں مثلاً کتب فروشوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔دوسری بات جو ہوریس نے کی ہے ،وہ ہے اختصار۔اس طرف بھی شاعروادیب بہت کم توجہ دیتے ہیں۔یہ موٹی موٹی اور بھاری بھاری کتابیں تصنیف کرتے اور شائع کرواتے ہیں۔مقصد اور مسرت کی بات اس میں سمندر میں کشتی کی مانند ہوتی ہے۔جس طرح سمندر میں کشتی بمشکل نظرآتی ہے،اُسی طرح مقصد اور مسرت کے وہ چند پہلو جو قاری کی خاص توجہ کے مستحق ہوتے ہیں،ایک موٹی کتاب میں نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔اس لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اختصار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے ۔اور اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مختصراور جامع گفتگو کی بنسبت طویل گفتگو کرنی آسان ہوتی ہے۔شاعروں اور ادیبوں کو چاہیے کہ وہ کام کی باتیں تخلیق کریں ایسی باتیں جن سے حظ وانبساط کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی کچھ فائدے پہنچیں'اور اُن باتوں سے اپنی تخلیقات کو بچائیں جن سے نہ مسرت حاصل ہوتی ہو نہ کوئی اور فائدہ۔کیونکہ اگر وہ کام کی باتوں میں بے کار باتیں بھی شامل کردیں گے تو اس سے' یہ ہوگا کہ جو وہ کہنا چاہتے تھے اُن باتوں میں دب جائے گا' جووہ نہیں کہنا چاہتے تھے ۔

دسواں نکتہ:

ہوریس کی آرس پوٹیکا کی تنقید کے حوالے سے جتنی بھی تعریف کی جائے شاید وہ کم ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہوریس یونانیوں سے بہت متاثر تھا،اور ارسطو کا اُس پر بہت زیادہ اثر تھا،لیکن یہ کہنا بعید ازانصاف ہوگا کہ ہوریس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے ،سب کچھ یونانیوں کا یا ارسطو سے لیا ہوا ہے۔ہوریس نے بہت سے مقامات پر ایسے ایسے تنقیدی اُصول دیے ہیں جن کی کل سے زیادہ آج ضرورت ہے۔جس نکتے کی طرف یہاں ہم بات کرنے چلے ہیں ،یہ ایسا نکتہ ہے جس کی طرف بہت کم ناقدین نے توجہ دی ہے۔ہوریس سے پہلے تو اس نکتے کی خبر بامشکل ملے۔آرس پوٹیکا میں یا تو گفتگو تخلیق شعر پر کی گئی ہے کہ تخلیق کے وقت کون کون سی باتیں مدِنظر رکھنی چاہییں اور کن کن سے صرفِ نظر کرنا چاہیے۔یا گفتگو قارئین وناقدین کے حوالے سے کی گئی ہے،کہ ناقد کو تخلیق میں کن کن باتوں کو سراہنا چاہیے ،کن کن باتوں پر گرفت کرنی چاہیے اور کن کن پر صرفِ نظر کرنا چاہیے۔اس طرح ہوریس ہردوطرف تخلیق کار وناقد پر نظر رکھتا ہے۔اس نکتے میں ہوریس نے ناقد کو کڑے ہاتھوں لیا ہے،ورنہ دیکھا گیا ہے کہ ناقد تخلیق اورتخلیق کارکو کڑے ہاتھوں لیتا ہے۔ہوریس کہتا ہے کہ کبھی کبھی کسی تخلیق میں کچھ فروگزاشتیں درآتی ہیں۔اگر اُس تخلیق کا اکثر حصہ اچھا اور بلند ہے تو ناقد کو چاہیے کہ وہ کشادہ دلی کا مظاہرہ کرے اور ناقص وکمزور حصوں پر گرفت نہ کرے اور اُنہیں نظر انداز کرڈالے۔

> ''بہرحال بہت سے نقص ہیں جنہیں درگزر کردینا چاہیے کیونکہ ساز کے تار سے ہمیشہ ہی وہ آوازنہیں نکلتی جو دماغ اور انگلیاں پیدا کرنا چاہتی ہیں بلکہ کبھی اونچی آواز نکلتی ہے،جبکہ نیچی آواز کی ضرورت ہوتی ہے۔اور تیر ہمیشہ نشانے پر نہیں بیٹھتا۔اگر ایک نظم میں کثرت سے اچھے حصے ہوں تو میں ایسے نقائص کو نظرانداز کردوں گا جو شاعر کی لاپرواہی کی وجہ سے رہ گئے ہیں یا جنہیں خطا کارانسانی فطرت دور نہ کرسکی''۔[۲۵]

گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

تخلیقی عمل میں یہ بات بہت زیادہ مشاہدے میں آئی ہے۔شاعر کہنا کچھ چاہ رہا ہوتا ہے اور الفاظ کچھ اور ہی مضمون

پیدا کررہے ہوتے ہیں۔اکثر وبیشتر تو قافیہ کی تبدیلی بڑے انوکھے قسم کے مضامین پیدا کردیتی ہے۔کبھی خیال لفظوں کی گرفت میں نہیں آتا اور کبھی الفاظ خیال سے بڑھ جاتے ہیں۔دونوں صورتوں میں کبھی خیال لفظوں سے باہر گرجاتا ہے اور کبھی الفاظ خیال کو سمیٹتے ہوئے یا تو کم پڑ جاتے ہیں یاوہ بھی باہر گر جاتے ہیں۔شاید یہ کہنا سب زیادہ مناسب ہو کہ تخلیقی عمل میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ جو تخلیق کار کہنا چاہ رہا ہوتا ہے ،اُتنا ہی صفحہ پر اُترا ہو۔زیادہ تر اس کے برعکس ہوتا ہے۔تخلیق کار جو کہنا چاہ رہا ہوتا ہے ،صفحے پر اُس کے علاوہ اور بہت کچھ 'ازخودظہور پذیر' ہوجاتا ہے۔یہ جو ازخودظہور پذیر ہوجاتا ہے، یہ وہ مواد ہے جو سب تخلیق کاروں کے نصیب میں نہیں ہوتا۔نقاد کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے کہ وہ تخلیق میں سے 'ازخودظہور پذیر' مواد کو پرکھے۔'ازخودظہور پذیر' مواد کی طرف تخلیق کار کی توجہ بالکل بھی نہیں ہوتی۔یہ مواد تخلیق کار کے خیال اور الفاظ کے باہم ٹکراؤ سے جنم لیتا ہے ۔ہوریس نے اگرچہ یہ بات نہیں کی لیکن راقم السطور نے اس جہت کو دریافت کیا ہے، والحمداللہ رب العالمین۔ہوسکتا ہے کہ اس جہت یعنی 'ازخود پذیر مواد' کے حوالے سے کل نظریہ سازی کی جائے۔اس بحث سے قطع نظر ہم ہوریس کی جانب آتے ہیں۔تخلیقی عمل کے دوران اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر لاپرواہی کی وجہ سے اپنی تخلیق پر بھرپور توجہ نہیں دے پاتا، یا کوئی اور کام یا خوشی یا غم کے لمحات بھی اُس کے تخلیقی عمل میں مزاحم ہوجاتے ہیں۔تخلیق کو ان عوامل سے بچانا چاہیے۔تخلیق چونکہ بھرپور توجہ کی متقاضی ہوتی ہے،اس لیے جو مواد اُس کے لیے اندرون کی بھٹی میں پکتا ہے اُسے اُن تمام غیرمتعلقہ مواد سے بچانا چاہیے جو اُس کے لیے نقص کا باعث ہوسکتے ہوں۔یہاں کچھ خفیف سا اشارہ ارسطو کے وحدتِ عمل کی طرف بھی جاتا ہے۔ہر وہ عمل جو تخلیق کی وحدت ،سلسلے کو توڑے نقص کے زمرے میں آتا ہے۔ایسا تب ہوتا ہے جب شاعر یا تخلیق کار لاپرواہی برتتے ہوئے غیرضروری باتوں کو اپنی نظم یا تخلیق کا حصہ بناتا ہے۔یا ضروری اور اہم باتوں کو اپنی نظم یا تخلیق کا حصہ بننے نہیں دیتا اور اس معاملے میں تغافل برتتا ہے۔اگر یہ لاپرواہی کا معاملہ کوئی نوآموز تخلیق کار وشاعر کے ہاں ملتا ہے اور وہ بھی بہت کم تو ہوریس کہتا ہے کہ وہاں نقاد کو چاہیے کہ وہ اُن نقائص سے صرفِ نظر کرے،لیکن اگر کوئی ماہر شاعر یا تخلیق کار اپنی نظموں یا تخلیقات میں بار بار غلطی کرے اور اُسے اُس کا ادراک بھی نہ ہو پائے تو نقاد کو چاہیے کہ وہ اچھی طرح اُس کی خبر لے۔اُس کے لیے رعایت نہیں۔ہوریس کہتا ہے:

> ''لہٰذا ایسی نظم کے بارے میں ہم کیا کہیں گے؟ جیسے ایک ادبی منشی کو ،جو تنبیہہ کے باوجود ایک ہی غلطی بار بار کرے،معاف نہیں کیا جاسکتا اور جیسے اس سازندہ کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، جو کسی تار پر ہمیشہ ایک سی غلطی کرتا ہے،اسی طرح وہ شاعر جو ایک ہی غلطی کو بار بار کرے ۔مجھے،کوری لس کی طرح ،ایک معمولی شاعر معلوم ہوتا ہے جس کے ایک یا دو اچھے مصرعوں پر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ مجھے اس وقت غصہ آتا ہے جب فاضل ہومر غلطی کرتا ہے،حالانکہ یہ قدرتی بات ہے کہ ایک طویل نظم سنتے وقت کبھی کبھی نیند بھی طاری ہوجائے''۔[۲۶]

گیارہواں نکتہ:

ہوریس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہر بات کو کسی نہ کسی مثال سے شروع کرے ۔اُس کا یہ اندازِ بیان اُسے

دوسرے نثاروں اور نقادوں سے الگ کرتا ہے۔کہیں کوئی مثال اُس کے بیان کے خلاف نہیں جاتی یا اُس کے بیان کے ساتھ میل نہ کھائے ایسا بھی نہیں ہے' سوائے ایک دو مقام کے۔میں نے بہت سی مثالوں کو قصداً اس مضمون میں بیان نہیں کیا۔اس نکتے میں ہوریس کہتا ہے کہ ایک نظم ایک تصویر کی طرح ہوتی ہے۔جسے جتنا قریب سے دیکھا جائے اُتنی ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تصویر دور سے دیکھنے سے اچھی معلوم ہوتی ہے،قریب سے نہیں۔قریب سے جس تصویر یا نظم کو دیکھا جاتا ہے،اُس کی خوبیوں اور خامیوں کا تقریباً پتہ چل جاتا ہے۔اس کے برعکس دور سے بہت سی چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن قریب جا کر جب اُنہیں دیکھا جاتا ہے تو وہ اتنی اچھی نہیں ہوتیں۔جیسے دور کے ڈھول سہانے مشہور۔قریب جائیں تو اُن کی آواز صوتی تشدد کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔اس لیے نقاد کو چاہیے کہ وہ نظم کو قریب سے اور خوب روشنی میں دیکھے۔روشنی سے ہوریس کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وسیع تناظر کے سے ہر جہت کو دیکھے۔کسی بھی رخ کو تاریکی میں نہ رہنے دے۔سچائی،حقیقت سے آگاہی اور صحیح علم کے لیے ضروری ہے کہ چیزوں کو جتنا ہوسکے قریب سے دیکھا جائے۔قریب سے اکثر چیزیں اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتی ہیں۔اُن میں کہیں کوئی خامی چھپی ہوئی نہیں رہتی یا وہ اپنی خامیوں کو چھپا نہیں سکتی۔موجودہ دور کے ناقدین کو اس طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔بہت کم نقاد ایسے ہیں جو اصل متون تک رسائی کے بعد فن پارے کا تجزیہ کرتے ہیں۔وگرنہ اکثر و بیشتر بے تحقیق،سنی سنائی باتوں پر اپنے تجزیے کی بنیاد رکھتے ہیں۔اس سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ہمارے یہاں آج کل جو علمی وادبی مباحث کا گرما گرم سلسلہ چل رہا ہے،اُن کے پیچھے زیادہ تر دور سے دیکھے،سنے مطالعوں کے نتیجوں کی کارفرمائیاں ہیں۔کسی مصنف کی ایک دو کتاب سے ہی اُس کے بارے میں غلط خیال پیدا کرلیا جاتا ہے۔اور اُس کی دوسری کتابوں کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔اُس پر سنی سنائی باتیں اور زیادہ گُل کھلاتی ہیں۔ایسے مسائل ادب ونقد ہی میں نہیں، زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ہوریس کے اس نکتے میں بڑی وسعت ہے،سب کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔

بارہواں نکتہ:

تخلیق کبھی بھی ایک درجے سے معرضِ اظہار میں نہیں آیا کرتی۔ہر درجہ کا اس میں عمل دخل رہتا ہے۔ہر ایک کا اپنا پنا دائرہ ہے۔اپنے دائرے سے باہر نکلنا خطروں کو آواز دینا ہوتا ہے۔لیکن پھر بھی اُن کو کچھ نہ کچھ رعایت دوسرے دائروں کی طرف سے مِل جاتی ہے جو خطروں کو کم کردیتے ہیں۔یہ بیان قدرے مشکل ہے۔ہم اسے آسان کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ہوریس کہتا ہے:

> ''اس بات کو دھیان سے سنو اور مت بھولو کہ دوسرے درجے کے لوگ زندگی کے کچھ دائروں ہی میں چل سکتے ہیں۔ایک معمولی صلاحیت کا وکیل یا بیرسٹر خوش بیان میسالا سے قابلیت میں کم ہوتا ہے اور علمیت میں اولس کاسیلس سے کم ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔لیکن اس کے برخلاف نہ کوئی دیوتا، نہ انسان اور نہ کتب فروش شاعروں کا عامیانہ پن برداشت کرسکتا ہے''۔[۲۷]

ہوریس شاعری کو دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی سے بلند وبرتر اورنرم و نازک بتاتا ہے جہاں غلطی کی گنجائش کم سے کم ہونا ہی اُس کی حیات کے لیے ضروری ہے۔زندگی کے دیگر شعبوں میں اونچ نیچ کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے(سوائے طب کے، کہ وہاں غلطی کرنے کی ،چاہے وہ ایک فیصد کے ہزارویں حصے تک کی بھی ہو، اجازت نہیں ہوتی۔کما فی الفتاویٰ رضویہ)،لیکن شاعری میں نظرانداز کردیا جاتا ہے۔یہاں ہر مقام پر چوکنا رہنا ہوتا ہے۔یہاں معافی کی گنجائش کم سے کم ہوتی ہے۔جیسا کہ پہلے گزرا کہ ہوریس نئے لکھنے والے کی غلطیوں کوتو چند بارمعاف کرنا اچھا خیال کرتا ہے،لیکن مشاق شاعر کی غلطیوں کو وہ سختی سے گرفت میں لیتا ہے۔جو بار بار ایک ہی غلطی کرے۔اسی پر ہوریس نے کہا کہ شاعری میں غلطیوں، پھسپھسے خیالات یادوسرے لفظوں میں عامیانہ پن کو دیوتا ،انسان،اور کتب فروش بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ہوریس کے اس جملے میں دیوتا، انسان،اور کتب فروش جہاں قاری کے طور پر آئے ہیں ،وہیں یہ تینوں نقاد کے تو پر بھی استعارتاً آئے ہیں۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام شعبوں میں کسی بھی شخص کی کم علمی اور بے عملی ہونے کے باوجود پھر بھی اہمیت ہوتی ہے ،لیکن اس کے برعکس شعروادب میں شاعر وادیب کی کم علمی اور بے عملی اُس کے شعر اورفن کو پستیوں میں گرا دیتی ہے۔ہر اُترنے والا خیال ضروری نہیں کہ ارفع بھی ہو۔شاعر کی نظر میں ہوسکتا ہے کہ وہ ارفع ہو،لیکن قاری کے پاس اُس کی اہمیت سوائے ہلکی سی ایک واہ!یا آہ! کے اور کچھ نہیں ہوتی ۔ اوراسی واہ اور آہ کے پاس بہت قریب ہی اُس تخلیق کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

> ''اسی طرح ایک نظم ،جو روح کی مسرت کے لیے لکھی اورتخلیق کی جاتی ہے، اگر وہ اول درجہ سے ذرا بھی نیچی ہوتو فوراً پستی میں پہنچ جاتی ہے''۔[۲۸]

یعنی ہوریس کے نزدیک شعر،نظم کا درجہ''اول'' ہے۔درجہ''دوم'' کی ہوریس کے پاس گنجائش ہے ہی نہیں۔البتہ نئے شاعر یا تخلیق کار کے لیے ہوریس کے دل میں نرم گوشہ ہے۔وہاں وہ اول کیا، دوم کیا، سوم درجے کو بھی اہمیت دینے کو تیار ہے۔لیکن مشاق شاعر کے لیے اول درجہ کے علاوہ اور کوئی درجہ وہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔تبھی تو اُس نے کہا کہ''مجھے اُس وقت غصہ آتا ہے جب فاضل ہومر غلطی کرتا ہے''۔ کیونکہ ہومر ایسے شاعرفنِ شعر کے بارے میں پوری آگاہی رکھتے ہیں۔معائب ومحاسن کے جملہ نکات و جہات سے واقف ہوتے ہیں،اس لیے اُن کی غلطیوں اور خامیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ اگر وہ غلطیاں کریں گے تو نئے لکھنے والے جب اُن کی غلطیوں کو دیکھیں گے تو وہ اُنہیں روا سمجھیں گے اور اُنہیں غلطیوں کو دُہرائیں گے۔اس طرح پے بہ پے غلطیوں کے دہرانے کے سبب ادب وفن موت کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں۔جو شعروادب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔اُنہیں شعر وادب سے دلی لگاؤ نہیں ہوتا۔ورنہ وہ دلچسپی لیتے اور باریکیوں کو سیکھتے ایسے متشاعر فقط وقت گزاری کے لیے شعر کہتے ہیں ،اُن کے بارے میں ہوریس کہتا ہے:

> ''وہ شخص جوشاعری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا شاعری کرنے کی جسارت کرتا ہے''۔[۲۹]

شعر کہنا مسئلہ نہیں ہے ،اچھا شعر کہنا مسئلہ ہے۔موجودہ دور میں شاعروں کی تعداد قاریوں سے زیادہ ہے، بلکہ بہت

زیادہ ہے۔شاعر تو جابجا مل جاتے ہیں ،اہلِ ذوق قاری نہیں ملتے۔یہاں قاری سے مُراد وہ پڑھنے والے ہیں جو خود شعر نہیں کہتے صرف شعر پڑھتے ہیں۔شاید یہی صورتِ حال قدیم زمانوں میں بھی رہی ہو۔ہوریس تبھی تو یہ شکوہ کررہا ہے کہ جنہیں کچھ نہیں آتا وہ شعر کہنے کی جسارت کرتا ہے۔آج کے دور میں شاعری کو عام لوگوں کی بنسبت شاعر ہی پڑھتے ہیں۔ایک شاعر نے شعر کہا دوسرے شاعر نے پڑھ لیا،بات ختم۔عام کیا خواص بھی اس دور میں شعروشاعری کی طرف دھیان نہیں دیتے۔اور اس کو کارِفضول گردانتے ہیں۔اس انحطاط کی بہت سی وجوہ ہیں۔بڑی وجہ اُن سب میں سے وہی ہے جس کی طرف ہوریس نے اشارہ کیا۔'جو شاعری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا،شعر کہنے کی جسارت کرتا ہے'۔ایسے ہی شاعروں کی شاعری نے 'شاعری اورفنِ شاعری' کو تباہ کیا اورعوام وخواص کی نظروں سے گرایا۔اس پر مزید گفتگو ہوریس نے اپنے اگلے نکتے میں کی ہے ۔

تیرہواں نکتہ:

''آپ لوگ، مجھے یقین ہے ،کوئی ایسی بات نہ کہیں گے نہ کریں گے جو میرِوا کی مرضی کے خلاف ہو۔آپ میں اتنی عقل اور قوت فیصلہ ہے۔لیکن اگر آپ کسی وقت کچھ لکھیں تو اُسے نقاد میسی لیس کو، اپنے والد کو اور مجھے بھی ضرور سنائیں۔پھر کاغذات کو اُٹھا کر الگ رکھ دیں اور نو برس تک رکھا رہنے دیں۔جس چیز کو آپ نے شائع نہیں کیا اُسے آپ ہمیشہ ضائع کرسکتے ہیں،لیکن ایک مرتبہ آپ کے الفاظ باہر آگئے تو آپ اُنہیں واپس نہیں لے سکتے''۔(۳۰)

نام نہاد شاعروں نے شاعری اورفن شاعری کو جہاں عوام کے ہاں گرایا وہیں اہلِ علم وادب کے ہاں بھی بے وقعت کیا۔کہیں اس کو باعزت وباعظمت نہیں رہنے دیا۔حُبِ شہرت نے نہ صرف اُن کو ڈبویا بلکہ فنِ شاعری کو بھی ڈبویا۔ہوریس کہتا ہے کہ شاعری کرنا آسان کام نہیں ہے۔یہ بڑا صبرآزما عمل ہے۔عجلت پسندی کا یہاں گزر نہیں۔خیال کو لفظوں کی قید میں لانے سے پہلے شاعر کو چاہیے کہ وہ خیال کو اچھی طرح سے دیکھے،پرکھے ،تولے۔ارفعیت وعلویت کو خیال اور لفظ ہردوجگہ مدِنظر رکھے۔گھسے پٹے خیالات والفاظ کوقلم زد کرنے میں جرأت کا مظاہرہ کرے۔اگرچہ یہ بڑاہی مشکل کام ہے۔تخلیق کار اپنی کسی بھی تخلیق کو ضائع نہیں کرتا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہے۔وہ ہر حال میں اُس کو باقی رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔لیکن عظیم شاعروں کی فہرست میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ میں تیغ رکھنی پڑے گی، تاکہ ہر معمولی اور علویت اور ارفعیت سے خالی اسلوب وخیال کوتہہِ تیغ کیا جاسکے۔ہوریس کہتا ہے کہ شاعر کو اتنی عقل اورقوتِ فیصلہ ہونی ہی چاہیے کہ وہ خیال والفاظ کے جملہ نقائص کو اپنی شاعری سے رفع کرسکے۔لیکن ہوریس بات کو یہیں ختم نہیں کردیتا۔وہ یہ بھی کہتا ہے کہ 'شاعر جو کچھ لکھے اُسے کسی زیرک نقاد کو ،اپنے والد کو اور مجھے بھی دکھائے'۔نقاد کو دکھانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے،اپنے والد کو دکھانے میں کیا حکمت ہے؟ یہ ایک بالکل نیا نکتہ ہے جس کی طرف ناقدین نے کم توجہ دی۔نقاد تو شعر کی داخلی وخارجی ہیئتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ایک عظیم شاعر (جو نقاد بھی بہترین ہو)داخلی وخارجی ہیئتوں کے علاوہ شعر کی تاروپود سے تخلیقی عمل کا عمیق جائزہ لے سکتا ہے۔لیکن شاعر کا والد کیا کرسکتا ہے؟۔راقم السطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جونظر باپ رکھتا ہے ،وہ نقاد وعظیم شاعر نہیں رکھتے۔اگر باپ صاحبِ علم ہو،تو پھر اُس کے علم وعمل ،شرافت وصداقت

،غیرت وحمیت ،محبت واُلفت پر بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ یہ بلند وبالا اوصاف اُس میں پائے ہی جاتے ہیں۔اسی لازوال سامان کے سبب وہ سب سے بڑھ کر اپنی اولاد کے لیے مصلح ورہنما ہوتا ہے۔لیکن اگر باپ صاحبِ علم نہیں تو پھر بھی اُس کی اہمیت اور نظرِ باحیاورسا سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بھی اپنی اولاد کے معاملہ میں بڑا حساس ہوتا ہے۔اپنی اولاد کی خلوتوں اور جلوتوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔جسے ہم کسی فن پارے کا عمرانی ونفسیاتی مطالعہ کا نام دیتے ہیں،وہ باپ اور دوست میں زیادہ پایئے گا۔اُستاد اور نقاد متن کے اندر اور اردگرد جھانک سکتے ہیں،لیکن باپ جھانکے یا نہ جھانکے،وہ زمانے کی جملہ اخلاقی وجمالیاتی اقدارکومحسوس کرلیتا ہے۔وہ اپنے شاعر بیٹے کو حدود میں رکھنے کی تلقین کرتا ہے،کیونکہ اُستاد اور نقاد کو شاگردوشاعر کے مستقبل کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی باپ کو ہوتی ہے۔حدود سے نکلنے سے باپ کی رسوائی زیادہ ہوتی ہے۔سو باتوں کی ایک بات،ہم اس قضیے کو یوں حل کرسکتے ہیں کہ بیٹے کی رسوائی ،باپ کی رسوائی ہے۔اُستاد ونقاد میں جہتوں کومتعین کیا جاسکتا ہے،باپ بیٹے کے معاملے میں جہتوں کومتعین نہیں کیا جاسکتا۔یہاں لامتناہی جہات ہیں۔جن میں سے اکثر تو بیان ہی میں نہیں آسکتیں۔

ہورلیس کا یہ نکتہ بڑاعظمتوں والا ہے۔غور کریں تو باپ کی نظر کی گہرائیوں تک اُستاد اور نقاد بلکہ کسی بھی غیر کی رسائی نہیں ہوتی۔کتنی تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو اُستاد ونقاد بلکہ پورا معاشرہ پسند کررہا ہوتا ہے۔تخلیق کار ہرایک کوخوشی خوشی اپنی تخلیق سناتا اور دکھاتا ہے۔کہیں گھبراتا،لجاتا نہیں ۔لیکن ،لیکن ،لیکن باپ کے سامنے وہی تحریراُس سے پڑھی نہیں جاتی ۔ اُس کی زبان نہیں کھلتی۔ہزار مقامات پر وہ گھبراتا ،لجاتا، شرماتا،ڈرتا ہے۔وہ مقامات چاہے اخلاقی ہوں یا غیراخلاقی ،ہرمقام پر اُس کا دل ڈوبتا ہے۔کیا اُن مقامات کی خبر باپ کے علاوہ کوئی اور دے سکتا ہے؟؟؟؟؟

اشاعت کے معاملے میں بھی ہورلیس عجلت کو پسند نہیں کرتا۔وہ کہتا ہے کہ'جولکھیں ،اُسے اُٹھا کرالگ رکھ دیں اورنو برس تک رکھا رہنے دیں'۔نو برس ہوسکتا ہے کہ رومیوں کے ہاں محاورہ ہو۔جیسے ارسطو کہتا ہے کہ'ٹریجڈی کاعمل آفتاب کی ایک گردش کے قریب قریب ہو'۔ناقدین کا آفتاب کی ایک گردش کے متعلق خیال ہے کہ یہ یونانیوں کے ہاں ہوسکتا ہے محاورہ ہو۔اسی طرح نو برس ہوسکتا ہے رومیوں کے ہاں محاورہ ہو۔جس کا مطلب طویل مدت ہو۔جس سے آنے والا اگلا ہی لمحہ،صبح سے شام ،کچھ دن ، کچھ ہفتے، کچھ مہینے یا کچھ سال سب مراد ہوسکتے ہیں۔ہورلیس کی یہ بات بارہا تجربے سے بھی گزری ہے کہ ایک خیال (پہلے وقت میں)جب لفظوں کا پیراہنِ رنگیں پہن کرصفحات پرجلوہ گر ہوتا ہے ۔وہی خیال کچھ دنوں کے بعد پُرانا پُرانا، بوسیدہ بوسیدہ ،ژولید ژولیدہ سا دکھائی دینے لگتا ہے ۔وہ پہلی سی کشش، تب وتاب جوتخلیق کار وشاعرکو(پہلے وقت میں) دکھائی دی تھی ،اب(دوسرے وقت میں) اُسے دکھائی نہیں دیتی۔ وہی خیال جو شاعر وتخلیق کار کی نظر میں پہلے پہل بڑا عمدہ اور اعلیٰ قرار پاتا ہے،وہی خیال اب اُس کی نظر میں گِھسا پٹا اور بے کار ٹھہرتا ہے۔صبح کی تخلیق وتحریر شام کو اور شام کی تخلیق وتحریر صبح کو اپنے اولین مقام پر نہیں رہتی۔شعور' آنے والی ہربلندی سے اوراُونچی بلند یوں کی طرف محوِ پرواز رہتا ہے۔یہ سلسلہ کہیں رُکتا نہیں لیکن یاد رہے کہ کہیں کہیں اس کے برعکس صورتحال بھی نظر آتی ہے۔ہورلیس' شاعر وتخلیق کار کی توجہ اسی مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ جب بھی کوئی تخلیقی کام کیا جائے ،تو اُسے فوراً عوام الناس کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہیے ،کچھ وقت کے لیے اُس سے توجہ ہٹا لینی چاہیے تا کہ جب نئی توجہ اور نئے

شعور کے ساتھ اُسی تخلیق کو دیکھا جائے گا تو بہت سے مقام نظرِ ثانی کا تقاضا کررہے ہوں گے۔مشاق شاعر وتخلیق کار ایسی باتوں کونظر انداز نہیں کیا کرتے۔مختلف اوقات میں،مختلف زاویوں سے اپنی تحریروں کو دیکھتے رہتے ہیں۔اپنی پُرانی تخلیقات کو بار بار دیکھنے اور ان میں مزید سے مزید معنی بھرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔حتی الامکان اپنی نگارشات کو عیوب ونقائص سے پاک کرنے کی مقدور بھر سعی کرتے رہتے ہیں۔اس کام کے لیے اچھا خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔ہوریس اُس اچھے خاصے وقت ہی کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔باریک بین ،زیرک شاعر وتخلیق کار صبر سے کام لیتے ہیں ۔جبکہ حبِ شہرت کے مارے ہوئے شاعر وتخلیق کار عجلت سے کام لیتے ہیں ۔اور اپنی ناقص و بے کار تخلیقات عوام الناس کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ایسے میں وہ قاری و نقاد کی نگاہ ہائے دوربیں سے پھر بچ نہیں پاتے، اور اپنے مقام سے گِر جاتے ہیں۔ہوریس کہتا ہے کہ تخلیق کی اشاعت کے بعد ، شاعر وتخلیق کار اپنی تخلیق کو لوگوں سے واپس کبھی نہیں لے سکتا۔اگر کتابی صورت میں واپس لینے میں کامیاب ہو بھی جائے تو پھر بھی قاری کے دل ودماغ میں اُس کی تخلیق اپنے اثرات چھوڑ جاتی ہے۔تخلیق کاروں کو ہوریس کے اس مشورے پر عمل کرنا چاہیے، اور جلد بازی سے بچنا چاہیے۔اپنے اشعار کو خود بار بار دیکھنے اور دوسروں سے اصلاح لینے کے متعلق اردو ادب ہی میں کیا' عالمی ادب میں بھی بہت سے دلچسپ قصے ملتے ہیں۔اس بارے ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ کی کتاب ''اردو شاعری میں اصلاحِ سخن کی روایت'' کا مطالعہ بہت مفید ہے۔سردست ایک واقعہ سن لیجیے ،جو ڈاکٹر عزیز ابن الحسن نے' ڈاکٹر تحسین فراقی کے مضمون ''اقبال کی اردو شاعری کا مختصر فنی جائزہ''جو بال جبریل کی بیاض کے تجزیے پر مشتمل ہے ،کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''اقبال ایک مرتبہ شعر کہہ کر مطمئن نہیں ہوجاتے تھے بلکہ اپنے بعض خاک افتادہ اور فنی اعتبار سے ناقص مصرعوں کو اُٹھاتے ، جھاڑتے ،پونچھتے اور جنبشِ قلم کی مسیحائی سے اسے شاعری کے آسمان چہارم پر پہنچا دیتے تھے۔اُنہوں نے جگن ناتھ آزاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اقبال کے ایک شعر:
>
> درمیانِ کارزارِ کفرودیں
>
> ترکشِ مارا خدنگِ آخریں
>
> پر جسٹس دین محمد نے داد دی تو اقبال کا کہنا تھا''دین محمد !یہ شعر میری چالیسویں کوشش کا نتیجہ ہے''۔[۳۱]

اس واقعہ کو سنانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہر تخلیق کار اپنی تخلیقات کو چالیس بار دیکھے ۔چالیسویں کوشش یا چالیس بار دیکھنے کا عمل شاعر وتخلیق کار کے ذوق وشوق کو ظاہر کرتا ہے۔کہ وہ اپنے اشعار کو ارفع واعلیٰ بنانے کا کس قدر خواہاں ہے اور اس کے لیے کتنی کوشش کرتا ہے۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ شاعر اپنے ہر شعر کو کئی کئی بار دیکھے بلکہ جو شعر اصلاح کا متمنی نظر آئے اسی پر بھرپور توجہ دینی چاہیے۔بہت سے اشعار تو اپنی پہلی ہی شکل میں تمام خوبیوں لے کر آجاتے ہیں۔بعض پر کچھ محنت کرنا پڑتی ہے۔اسی طرح نثر میں ہوتا ہے۔

چودھواں نکتہ:

ہوریس کے ہاں شاعروں کا مقام بہت بلند ہے۔بلند خیال شاعروں کی مدح میں وہ زمین وآسمان کے قلابے ملانا

شروع کر دیتا ہے۔اور کیوں نہ ہو۔جب خیال زمین وآسمان کی حدوں سے باہر نکل سکتا ہے، تو مدح کیوں نہ نکلے۔مدح کی سب سے بڑی وجہ جو ہوریس کے ہاں ملتی ہے،وہ ہے اخلاقیات۔ہوریس اخلاقیات کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔آرس پوئیکا کے مطالعہ سے تو یہی آشکارا ہوتا ہے۔فنِ شاعری میں کسی مقام پر بھی ہوریس نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو اخلاقیات سے باہر محسوس ہوتی ہو۔اسی وجہ سے وہ ہر جگہ پر نئے شاعروں کو نصیحت کرتے ہوئے اخلاقی اقدار کو مدِ نظر رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔جس نکتے کی تشریح وتوضیح کی طرف اس وقت ہم جارہے ہیں،اُس میں تو پیغمبروں کی تعلیمات کا بھی ذکر موجود ہے(اگرچہ ہوریس کا یہ بیان بہت طویل گفتگو چاہتا ہے)۔اور ایسے معاشروں کا ذکر کیا گیا ہے جہاں بداخلاقی و بے حیائی کو ختم کرنے اور ستھرے اخلاق اور مہذب و باحیا معاشرے کے قیام کی کوششیں کی گئیں۔تہذیب وتمدن سے متعلق بھی کئی ایک اشارے ملتے ہیں۔شاعروں کے جادوئی خیالات کے بارے میں ہوریس لکھتا ہے:

''امفین بھی، جو تھیبس کا بانی تھا،اپنے لائر سے پتھروں کو حرکت میں لے آتا تھا اور اپنے راگ سے انہیں جہاں چاہتا تھا، لے جاتا تھا۔ایک زمانے میں عاقلوں کا یہی راستہ تھا کہ وہ ذاتی وعوامی حقوق اور پاک وناپاک امور میں فرق کرتے تھے۔بلاامتیاز جنسی فعل کو بُرا سمجھتے تھے اور ازدواجی زندگی کے اُصول قائم کرتے تھے۔شہر بناتے تھے اور لکڑی کے تختوں پر قانون کندہ کرتے تھے۔اسی وجہ سے شاعروں اور ان کے گیتوں کی عزت وتکریم کی جاتی تھی اور اُنہیں الہامی ہستیاں سمجھا جاتا تھا۔اُن کے بعد ہومؔر اور ٹرٹائیسؔ نے اپنی شاعری سے اُنہیں جنگی کارناموں پر اُکسایا۔گیتوں میں بھی آسمانی پیام دیا گیا۔صحیح زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے گئے''۔[۳۲]

ہوریس کے ان جملوں کے عقب میں اخلاقی پہلو چھپے ہوئے ہیں۔امفینؔ کے بارے میں لکھنا کہ وہ اپنے لائر (ایک آلہ نغمہ) سے پتھروں کو جہاں چاہتا، لے جاتا تھا،یہ جملہ ہوسکتا ہے استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔یعنی امفینؔ اپنے اخلاق سے سخت دل انسانوں کو بھی جس شکل میں چاہتا تھا ڈھال لیتا تھا،راہِ راست پر لے آتا تھا۔عقلمند ذاتی وعوامی حقوق میں فرق کرتے تھے،لحاظ رکھتے تھے۔اچھی طرح جانتے تھے،پہچانتے تھے کہ یہ معاملہ ذاتی حقوق کے دائرے میں آتا ہے اور یہ معاملہ عوامی حقوق کے۔کیا آج اس بات کا کہیں خیال رکھا جاتا ہے؟ یہ اخلاقیات کی اعلیٰ قدروں میں سے ہے۔ہم نے ذاتی حقوق کو تو ذاتی حقوق بنایا ہی لیا ہے لیکن اس کے ساتھ عوامی حقوق یعنی دوسرے لوگوں کے حقوق پر بھی اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ہر وہ کام جس میں ذرا بھی اپنا فائدہ نظر آتا ہے،اُسے ہم ذاتی حقوق میں متصور کرتے ہیں۔اپنے سے الگ دوسروں کے حقوق کی تو ہمیں ذرا بھی پروا نہیں رہی۔حدیث کا مفہوم ہے:حضور سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا جو اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔کیا ہم زندگی کے ہر معاملہ میں حضور ﷺ کے اس فرمان کو مدِ نظر رکھتے ہیں؟یقیناً ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔اس فرمانِ عالی شان کو اگر ہم صرف شعروادب پر ہی لاگو کر کے دیکھیں تو ہمارے شعروادب اس فرمان عالی شان پر پورے نہیں اُتریں گے۔ہم وہ پڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں جو ہم اپنے گھر والوں کو پڑھانے میں شرم محسوس کریں گے،یعنی اُن کے لیے پسند نہیں کریں گے۔تو کیا ایسا لکھنا،پڑھنا اپنے لیے،اپنے گھر والوں کے لیے اور معاشرے کے لیے بہتر ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ہوریس یہی نصیحت نئے شاعروں کو کر رہا ہے کہ عاقلوں کی طرح ذاتی وعوامی حقوق کا خیال رکھنا۔ہر خیال کو تولنا،پرکھنا۔اُس کو خود پر لاگو کر کے دیکھنا،ہر حیثیت سے دیکھنا۔جب

ہر طرف سے صاف وشفاف نظر آئے تو صفحے پر اُتار لینا ورنہ رد کر دینا، کہ وہ اچھے ثمرات نہیں لائے گا۔معاشرے میں قائم جو تمہارا تھوڑا بہت مرتبہ ہو گا وہ اُس سے بھی گرائے گا۔

'بلا امتیاز جنسی فعل کو بُرا سمجھتے تھے' ہوریس کے اس خیال کی طرف ادباء وشعرا کا کتنا دھیان ہے؟ پچھلی صدیوں سے قطع نظر، بیسویں صدی اور اس رواں صدی میں ایک اردو ہی نہیں، سارا عالمی ادب ہی جنسیات کا شکار نظر آتا ہے۔اس بارے میں زیادہ حصہ مغربی اقوام کا ہے۔صدیاں گزر گئی تھیں اچھے اور بُرے افعال میں تمیز قائم کرنے میں ،ان اقوام نے دو ایک صدی ہی میں اُن کا تمام کیا دھرا تباہ کر ڈالا۔وہ لوگ اچھے اچھے خوبصورت شہر بناتے تھے اور اُن کے شاعر ایسی شاعری کرتے تھے جو اخلاق وقانون کا درجہ اختیار کر جاتی تھی۔اُن کی شاعری کو شہر کے اہم چوراہوں پر لکڑی کے تختوں پر کندہ کر کے آویزاں کیا جاتا تھا۔تاکہ نوجوان اُن سے سبق حاصل کریں اور اُن کی اچھی تربیت ہو سکے۔کیا آج کے شاعر، ادیب ،فلسفی ویسے افکا راپنی تحریروں میں پیش کرتے ہیں؟ شاید ہمارے پاس اس کا بھی جواب نہ ہو۔ ہوریس نے جن بلند خیال لوگوں کی باتیں کی ہیں ، یہاں اُن کے بارے میں ایک ہی قصہ کا بیان بہت ہے:

''۔۔۔کہتے ہیں کہ ایک دن ساتوں دانا پکنک لیے شہر سے باہر ڈیلفی کے مقام پر اپولو کے مندر پر جمع ہوئے جہاں استخارہ کیا جاتا تھا۔مندر کے بڑے پروہت نے گرم جوش استقبال کیا۔اُس کے لیے یہ اعزاز کچھ کم نہ تھا کہ حکمتِ یونان اتفاقاً اُس کے گرد جمع ہوگئی تھی۔پروہت نے اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حکمائے ہفت گانہ سے درخواست کی کہ وہ مندر کی دیوار پر اپنا اپنا ایک مقولہ لکھیں۔اسپارٹا کے کلوؔن نے سبقت کی اور ایک سیڑھی لا کر مندر کے دروازہ کی پیشانی پر اپنا یہ مقولہ کندہ کیا''اپنے آپ کو پہچانو''۔ایک ایک کر کے باقی داناؤں نے پروہت کی خواہش پوری کی ۔کلیوبلس نے صدر دروازے کے دائیں طرف لکھا''اعتدال بہترین رویہ''۔پیپریانڈؔر نے بائیں طرف یہ مقولہ کندہ کیا''طمانیت دنیا میں حسین ترین شے ہے''۔سولؔن نے زیادہ خاکساری دکھائی اور ستونوں کے پاس نسبتاً ایک اندھیرے کونے میں یہ مقولہ لکھا ''اطاعت کرنا سیکھو گے تو حکم دینا بھی آجائے گا''۔طالیس ملطؔی نے مندر کی بیرونی دیوار پر جو زائرین کو مندر کے مقدس راستے پر چلتے ہوئے دور سے نظر آتی تھی ،لکھا''اپنے دوستوں کو یاد رکھو''۔پٹاکس جو ہمیشہ کا سنکی تھا ،اژدہے کی تپائی کے پاس جھکا اور یہ مبہم مقولہ لکھ دیا''جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے اُسے واپس کردو''۔اب معلوم نہیں کسے کیا دینا ہے۔فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔جب سب دانا اپنے اپنے مقولے لکھ چکے تو پرینے کے باشندے بیاؔس کی باری آئی۔داناؤں کو بڑا اچھنبا ہوا، جب بیاس نے کچھ لکھنے سے انکار کر دیا۔میرا کچھ لکھنے کو دل نہیں چاہتا، بیاس نے داناؤں سے معذرت کی۔داناؤں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ بیاس کچھ لکھنے سے کیوں انکار کر رہا ہے۔اے بیاس، اے ابن ٹیوٹامس! تم جو ہم میں سے بڑے دانا ہو، آنے والی نسلوں کے لیے کوئی نصیحت کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مندر آنے والے زائرین تمہارے حکمت کے خزانے سے کچھ حاصل نہ کر پائیں؟ بیاس نے پھر بھی انکار کیا اور کہا: میرے دوستو! بہتر یہی ہے کہ میں کچھ نہ لکھوں، مگر داناؤں نے بیاس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُس وقت تک کٹ حجتی

کرتے رہے جب تک بیاس تنگ نہ آ گیا اور مجبوراً کانپتے ہاتھوں سے قلم اُٹھا کر یہ جملہ لکھ دیا''اکثر آدمی بُرے ہوتے ہیں''۔ ۳۳

آج کے شعراء وادباء وناقدین کا کہنا ہے کہ شعروادب کا تعلق اخلاقیات سے ہے ہی نہیں۔اس کا کام تو ادب کی تخلیق ہے،اب وہ چاہے جس نہج کا بھی ہو۔اعلیٰ ہو پست ہو،اچھا ہو بُرا ہو۔یونان کے حکمائے ہفت گانہ کا واقعہ اُوپر بیان ہوا،اُن حکماء کے بعد ہوریس کا زمانہ آتا ہے۔صدیوں کے بعد ہمارا زمانہ آتا ہے۔سینکڑوں سال پہلے کے لوگ اخلاقیات کی ترقی وترویج کے لیے اُصول وقوانین بناتے تھے،تاکہ آنے والی نسلوں میں سدھار آئے ۔آج کے لوگ(شعراء وادباء)اخلاقیات کوفضول و بے کار جانتے ہیں۔ہرقسم کی بے حیائی ،الم غلم ،گند کچرے کو ادب کا حصہ بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔یہ نسلوں میں سدھار نہیں ،بے گاڑ چاہتے ہیں۔المختصر،ہر بات میں اعتدال سے کام لینا چاہیے۔خیال کولفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے اُسے ہر رخ سے دیکھ لینا چاہیے کہ اس سے کس قسم کے اثرات قاری پر اور معاشرے پر مرتب ہوسکتے ہیں۔تخلیق کار خود بھی بہت بڑا نقاد ہوتا ہے اور اُسے ہونا بھی چاہیے۔خیال ولفظ کو اچھی طرح پرکھ کر اپنے قاری وسامع کے حوالے کرے۔اگر بہتر سمجھے تو دے ،ورنہ رد کردے۔اگر ایسا نہ کیا تو،وہ (ادیب ،شاعر) بھی اُن لوگوں کی فہرست میں آجائے گا جن کے بارے میں بیاسؔ نے کہا تھا کہ''اکثر آدمی بُرے ہوتے ہیں''۔

ہوریس کے 'ابتدائی تنقیدی صندوقچہ' میں اور بھی کئی کام کے نسخے (تنقیدی نکات)ہیں ۔لیکن فی الحال اتنے ہی نسخے شعراء وادباء کے علاج معالجے کے لیے کافی ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ وہاب اشرفی،ڈاکٹر قدیم مغربی تنقید پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۲ء،صفحہ۲۷

۲۔ سجاد باقر رضوی،ڈاکٹر:مغرب کے تنقیدی اُصول مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد؛۲۰۱۲ء،صفحہ ۸۹

۳۔ عابدصدیق: مغربی تنقید کا مطالعہ پورب اکادمی ،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،صفحہ ۵۰

۴۔ ایبروکرومبی ،پروفیسر:پرنسپلز آف لٹریری کریٹسیزم ؛مترجم:جلیل احمدوعبدالسلام ،اردومرکز،لاہور،۱۹۶۴ء ، صفحہ ۱۲۰

۵۔ ہوریس:فن شاعری (آرس پوئیکا)؛مشمولہ:ارسطو سے ایلیٹ تک مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی؛نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۸ء،صفحہ ۱۳۴

۶۔ ایضاً،صفحہ ۱۳۴

۷۔ کلیم الدین احمد : قدیم مغربی تنقید اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ،۲۰۰۴ء،صفحہ ۶۷

۸۔ ایضاً،صفحہ ۶۷

۹۔ ایضاً،صفحہ ۶۴

۱۰۔ ایضاً،صفحہ ۶۸

۱۱۔ ایضاً،صفحہ ۶۸

۱۲۔ ایضاً،صفحہ ۶۹

۱۳۔ ایضاً،صفحہ ۷۰

۱۴۔ ایضاً،صفحہ ۷۳

۱۵۔ ایضاً،صفحہ ۷۳

۱۶۔ ہوریس:فن شاعری (آرس پوئٹیکا)؛مشمولہ؛ارسطو سے ایلیٹ تک ؛مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی؛نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۸ء،صفحہ ۱۳۸

۱۷۔ ایضاً،صفحہ ۱۳۸

۱۸۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۰

۱۹۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۱

۲۰۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۲

۲۱۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۷

۲۲۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۷

۲۳۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۸

۲۴۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۸

۲۵۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۸

۲۶۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۹

۲۷۔ یضاً،صفحہ ۱۴۹

۲۸۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۹

۲۹۔ ایضاً،صفحہ ۱۴۹

۳۰۔ ایضاً،صفحہ ۱۵۰

۳۱۔ عزیزابن الحسن ڈاکٹر:اردو تنقید۔۔چند منزلیں پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۳ء،صفحہ ۲۱۹

۳۲۔ ہوریس:فنِ شاعری؛مشمولہ:ارسطو سے ایلیٹ تک؛مترجم:ڈاکٹر جمیل جالبی نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد؛۲۰۰۸ء، صفحہ ۱۵۰

۳۳۔ منظوراحمد،ڈاکٹر:دانشِ یونان؛مشمولہ:پاکستانی ادب ،۱۹۹۳ء،حصہ نثر؛مرتبین:ڈاکٹر سلیم اختر،مسعوداشعر،اکادمی ادبیات ، پاکستان،۱۹۹۴ء،صفحہ ۳۱۷